ایمان اکبر، از مولوی حکیم سید علی اکبر صاحب دولت پوری، ناشر منشی عبدالرزاق خانصاحب نظامی، ایجنسی اخبارات، پوسٹ بکس نمبر ۳۳، مکان نمبر ۴۷، بازار اسٹریٹ، حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۲ ر

اس رسالہ میں اسلام کے عقائد مختصراً بیان کئے گئے ہیں،

انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل، از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، (سہارنپوری) ۳۶ صفحے، قیمت ۳ ر

اس رسالہ میں آیت مساوات کی تفسیر کر کے دکھایا ہے کہ انساب و قبائل کا باہمی امتیاز و تفاضل صحیح ہے، لیکن یہ فخر و غرور نا روا ہے، اس سلسلہ میں مسئلہ مساوات اسلامی اور امتیاز انساب کا باہمی تعلق اور ان کا فرق سمجھایا ہے،

ہجوم غم، از جناب حجاب، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۳ ر، پتہ: منیجر صاحب برق، جونپور،

یہ محترمہ حجاب بنت سید حسن صاحب حشن بلگرامی پنشنر ہج حیدر آباد دکن، کے لکھے ہوئے چند مراثی کا مجموعہ ہے،

الحواشی العثمانیہ علی شرح الرحبیہ (عربی) از مولانا محمد عبد العزیز صاحب، عسکر، بنگلور، حجم ۴۰ صفحے، قیمت

شرح رحبیہ محمد بن محمد سبط ماردینی، علم فرائض کی متداول کتاب ہے، مولانا محمد عبد العزیز بنگلوری نے الحواشی العثمانیہ کے نام سے اس پر تعلیقات لکھے ہیں، جو گویا شرح رحبیہ کی شرح ہے، عربی خوان طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

قاعدہ عربی جدیدہ، از مولوی محمد نعیم صاحب، ناشر منیجر کتب خانہ سلسلہ تعلیم القرآن، لودھیانہ، پنجاب، ۳۲ صفحے، قیمت: ۱ ر

یہ قرآن مجید پڑھانے کے لئے نئے طرز کا عربی قاعدہ ہے، ہر سبق کے ساتھ معلم کے لئے ہدایات درج ہیں،

تعلیمی تفریح، از جناب مرزا سرفراز علی صاحب متعلم بی اے، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن، ۷۴ صفحے،

یونیورسٹیوں کے طلبہ تعلیمی تجربے حاصل کرنے کیلئے مختلف مقامات پر جماعت بنا کر بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی ایک جماعت دسمبر ۱۹۳۳ء میں شمالی ہند کی سیر کیلئے بھیجی گئی تھی، اس رسالہ میں اسی سفر کے حالات اور لاہور سے کلکتہ تک کے مختلف بڑے شہروں کے تاریخی مناظر اور تأثرات قلمبند کئے گئے ہیں، رسالہ کا مطالعہ طلبہ کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ہوگا،

"ر"

جلد ۳۶ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۵ء | عدد ۵

مضامین

اطلاع

افسوس کہ تقریباً دو ہفتون سے مولانا سید سلیمان ندوی بسترِ علالت پر ہین، جسکی وجہ سے یہ پرچہ شذرات کے صفحون کے بغیر شائع کیا جارہا ہے، ناظرین صحت کے لیے دعا فرمائین،

منیجر

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدن

از سید ریاست علی ندوی،

(۳)

علوم وفنون،

صقلیہ کے اسلامی تمدن مین اُسکے علوم وفنون کا بیان سب سے اہم ہے، کہ اس سرزمین سے بڑے بڑے ائمۂ فن، محدثین، فقہا، متکلمین، صوفیہ اور اربابِ ادب پیدا ہوے، جنمین سے کچھ سسلی سے اسلامی سلطنت کے خاتمہ پر ہجرت کر گئے، لیکن بہتون نے عہدِ اسلامی مین اور اسکے بعد بھی اسی سرزمین کو اپنی آخری خوابگاہ بنایا، مگر آج وہان کسی مسلمان کی قبر کا نشان تک باقی نہین،

صقلیہ میں مسلمانوں کے داخلہ کے وقت تک اسلامی علوم و فنون میں سے علوم قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، کلام ومناظرہ، مغازی، تاریخ، رجال، صرف، نحو، ادب، لغت اور طب کی تدوین ہو چکی تھی، مسلمان انہی علوم کو لیکر یہاں پہنچے، اور انہی کی نشر واشاعت کی، اور انہی کو فروغ حاصل ہوا، پھر کچھ دنوں کے بعد جب علوم عقلیہ کا عام رواج ہوا، تو مسلمانانِ صقلیہ نے بھی ان علوم کی جانب نگاہ اٹھائی لیکن ابھی محو نظارہ ہی تھے، کہ اسلامی سلطنتِ صقلیہ کی شمعِ حیات گل ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ عہدِ اسلامی کے صقلیہ کے علوم وفنون میں انہی اول الذکر اسلامی علوم کو حقیقی عظمت حاصل ہے، تاہم علوم عقلیہ کا صفحہ بھی سادہ نہیں ہے،

صقلیہ مین علمی ترقی کے اسباب صقلیہ کی سیاسی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہان کی سیاسی فضا اوائل ہی سے نہایت مکدر اور پرہیجان رہی جسمیں علوم و فنون کی داغ بیل ڈالکر اس کو نشو ونما دینا، اس وقت ناممکن ہوتا اگر اتفاقاً آغاز ہی سے اس کے سامان بھی مہیا نہ ہو گئے ہوتے،

یہ عجیب اتفاق ہے، کہ مسلمانوں کا سب سے پہلا قافلہ جو سکونت پذیر ہونے کے لئے یہاں آیا، وہ ایک ایسی شخصیت کی سالاری میں آیا، جو خود سرچشمۂ علوم و معارف تھا، جب وہ افریقہ سے صقلیہ روانہ ہونے لگا، تو اس کی ذاتی کشش اور اس کے علمی رشتۂ مودت سے افریقہ کے اکابر اہل علم اس کے ہمرکاب ہوگئے، صاحب ریاض النفوس کا بیان ہے:-

"ہمارے مشائخ کہتے ہیں، کہ جب اسد فوج لیکر سوسہ روانہ ہوئے کہ صقلیہ کے جہاز پر سوار ہوں، تو ان کے ساتھ اہل علم کی ایک جماعت روانہ ہوگئی،

یہانتک کہ شیخ عبدالرحیم المستجاب (جن کے متعلق امام سحنون صاحب المدونۃ الکبریٰ کی رائے ہے، کہ میں نے ابن قاسم، اشہب، ابن وہب، علی بن زیاد، بہلول بن راشد، اور ابن اشرس (جیسے اکابر) کو دیکھا، مگر عبدالرحیم کے مثل کسی کو نہ پایا) وہ بھی اپنے گوشۂ عافیت سے نکل پڑے، اور صقلیہ روانہ ہونے پر آمادہ ہوئے، مگر امام سحنون نے افریقہ کے قیام کی ترجیح بعض دوسری ضرورتوں کو پیش کرکے ثابت کی، اور یہ سفر ملتوی کیا گیا، [1]

(۲) صقلیہ میں علمی ترقی کا **دوسرا سبب** یہاں کی اسلامی حکومت کا یہاں کے اہل علم کو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کردینا ہے، ابن حوقل لکھتا ہے:-

"دارالحکومت کے باشندوں میں اساتذہ کی تعداد زیادہ ہے، چنانچہ صرف بلرم میں ۳۰۰ اساتذہ ہیں، میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا، کہ اساتذہ دشمن کے حملہ کے موقع پر جہاد میں شرکت کرنے پر مکلف نہیں ہیں، [2]

[1] ریاض النفوس درامارِی ص ۱۰۰، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۶، لیکن جو اہل علم جہاد کی شرکت کرنا چاہتے کرسکتے تھے، چنانچہ بعض اہل علم کے سوانح میں نظر آتا ہے کہ وہ خدمت علم میں بھی مصروف تھے، اور خدمت جہاد کا شرف بھی حاصل کرتے تھے (دیباج المذہب ابن فرحون ص ۲۷۷) اس طرح سنہ ۳۹۵ کے حوادث میں ابن اثیر نے علماء و صالحین کے جنگ میں شریک ہونے کی تصریح کی ہے، (ابن اثیر ج ۹، ص ۷۰)

(۳) **تیسرا سبب** یہاں کے ارباب حکومت کا خود اہل علم و صاحب ذوق ہونا تھا، یہ لوگ نہ صرف شعر و شاعری ہی سے دلچسپی نہ رکھتے تھے، جو بالعموم ارباب دولت کا تفریحی مشغلہ ہوتا ہے، بلکہ بعض مختلف علوم حدیث و فقہ میں صاحب کمال گذرے ہیں، اور دولت فاطمیہ و کلبیہ کے دور میں تو عام امراء و عہدہ داران حکومت اہل علم و ارباب حکومت میں تھے، جنکا تذکرہ طبقات میں ارباب علم و ادب کی حیثیت سے ملتا ہے، صقلیہ کی علمی ترقیوں میں ان ولاۃ، امراء اور عہدہ داروں کا نمایاں حصہ رہا، خود صاحب کمال تھے، علماء و شعراء کے قدردان ہوتے، سرپرستی کرتے، اور دور دور کے ارباب کمال کھنچ کھنچکر صقلیہ پہنچتے، [1]

(۴) **چوتھا سبب** اس کی جغرافیائی وقوع ہے، اس زمانہ میں اندلس، افریقہ، مصر و شام اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے، جو ارباب علم شام و مصر سے اندلس یا اندلس سے شام و مصر کے سفر میں ادھر سے گذرتے، یہاں بھی ہو لیتے، چنانچہ ایسے اہل علم کے نام معلوم ہیں، جنھوں نے یہاں اثنائے راہ میں مہینوں اور کبھی سالوں قیام کرکے جزیرہ کو اپنے علم و فضل سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنایا، (مثلاً ابو حفص عمرو بن حسن الہوزنی وغیرہ)

(۵) **پانچواں سبب**، رفتہ رفتہ اس کا وقار علمی حاصل کرلینا ہے، لوگ یہاں کے اہل علم سے استفادہ کے لئے دور دور سے آتے، مثلاً ایک صقلی اہل علم طاہر بن محمد بن رقبانی کے حالات میں قفطی کا بیان ہے:-

"یہ صقلیہ کے باشندے تھے، اور یہیں اقامت گزین تھے، ان کے عہد میں عربی علم و ادب کے نثر و نظم میں ان سے بڑھکر کوئی دوسرا عالم موجود نہ تھا، ہر مقام سے اکثر اہل علم نے ان کی طرف رجوع کیا، اور ان کو بحر زخار پایا، [3]

(۶) **چھٹا سبب** یہ تھا، کہ اگر افریقہ میں کسی صاحب فضل کی پذیرائی باقی نہ رہتی، یا پذیرائی کے مواقع جاتے رہتے، تو وہ صقلیہ کی علمی منزلت کے اثر سے یہاں کا رخ کرتا، یا اندلس میں کسی صاحب علم کیلئے

[1] الحلۃ السیراء ابن الابار درامارِی ص ۳۲۷، ۳۳۰، الالحان المسلیہ در یادگاری ج ۱ ص ۲۹۳ وغیرہ [2] مسالک الابصار ابن فضل اللہ درامارِی ص ۱۵۲، [3] مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ درامارِی ص ۶۴۵،

حالات ناساز گار ہوگئے، تو اس نے صقلیہ کی راہ لی، اور یہیں توطن اختیار کرلیا، چنانچہ صقلیہ کے متوطنین میں شیخ براذعی سعید بن فحون قرطبی اور ابن رشیق قیروانی جیسے ارباب علم و فضل ہیں،

صقلیہ میں علمی ترقیوں کے یہی اسباب تھے، جن کے باعث صقلیہ نے اپنے دور میں ایک ممتاز علمی جگہ حاصل کی، اور عرب مورخین نے اس کی علمی منزلت کا اعتراف کیا، سمعانی متوفی ۵۶۲ھ کا بیان نسبت صقلی کی تشریح میں ہے :-

"یہ نسبت جزیرہ صقلیہ کی طرف ہے، اور یہاں سے مسلمان اہل علم کی ایک کثیر جماعت نکلی جنہیں متقدمین بھی ہیں، اور دور حاضر کے علماء بھی، اور یہ آج کل فرنگیوں کے قبضہ میں ہے"[1]

صاحب نخبۃ الدہر لکھتا ہے :-

"صقلیہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، تو علمی ترقی اور علماء و ادباء اور فضلا کی کثرت میں اندلس کے مانند تھا"[2]

ابن فضل اللہ الدمشقی لکھتا ہے :-

"صقلیہ نے جو خوشبو پھیلائی، اور جو ذہانت بخشی ہے، وہ اس کے فخر کے لئے کافی ہے، تاریخ و ادب کی کتابوں میں اسکا بہترین حصہ محفوظ ہے، عہد اسلامی میں بیدار مغز بادشاہ اور بڑے بڑے ادبا موجود تھے، جنہیں سے ایسا کوئی نہ تھا، جس کے پاس سفر کرکے لوگ پہنچتے نہ ہوں، جاکر مدح نہ کرتے ہوں، اور صلہ نہ پاتے ہوں"[3]

صقلیہ میں تعلیم کا نظام

یورپین مورخین تو "پلرمو اور مسینا کی یونیورسٹیوں" کا تذکرہ کرتے ہیں، لیکن ہمیں ان مرعوب کن الفاظ کی ضرورت نہیں، یہ اسلامی یونیورسٹیاں صقلیہ کی مسجدوں ہی میں قائم تھیں،

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۴ ۔ [2] نخبۃ الدہر و عجائب البر والبحر در اماری ص ۱۴۴ ۔ [3] مسالک الابصار فی ممالک الامصار در اماری ص ۱۵۲

اس وقت تک درسگاہوں کے لئے جداگانہ عمارتوں کا دستور نہ تھا، اگر درسگاہ کے مقصد ہی سے عمارتیں بنائی جاتیں، تو بھی وہ مسجد ہی کی شکل کی ہوتیں، اور بلرم میں کثرت مساجد کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ یہ مسجدیں درسگاہ کے لئے بنائی جاتی تھیں، ابن حوقل لکھتا ہے :-

"ان درس مسجدوں میں جنکا میں نے تذکرہ کیا، ایک مسجد ابو محمد تفصی کی ہے، جس میں وہ نماز پڑھتے ہیں، اور اسی کے پہلو میں بیس قدم پر ایک دوسری مسجد ہے، جس کو انھوں نے اپنے لڑکے کی تعلیم گاہ کے لئے تعمیر کرایا ہے"[1]

ان درسگاہوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا، جو اس عہد میں تمام اسلامی ملکوں میں بطریق املا و سماع جاری تھا، لیکن ان درسگاہوں اور ان کے اساتذہ کا کیا نظام تھا، اس کا کوئی تصریحی تذکرہ نظر سے نہیں گذرا، قیاسات قائم کئے جاسکتے ہیں، تاہم اساتذہ و معلمین کے متعلق اتنا معلوم ہے، کہ ان میں فرق مراتب و امتیاز ان کے عہدوں کے لحاظ سے بھی قائم تھا، بعض اہل علم کے تذکرہ میں ملتا ہے "من اھل صقلیۃ مقیمین بھا واحد رؤساء المعلمین" (یہ اہل صقلیہ میں تھے، وہیں قیام پذیر تھے، اور صدر اساتذہ میں سے ایک تھے)[2] کتابوں کے درس و تدریس کے اجازت نامے، اور سندیں دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح یہاں بھی رائج تھیں، جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، صحاح جوہری کی سند ابن القطاع الصقلی متوفی ۵۱۵ھ کو صقلیہ میں اپنے استاذ ابو بکر محمد بن البر الصقلی سے ملی، اس کے بعد وہ مصر پہنچا، اس وقت تک صحاح کی سند مصر میں عمومیت سے داخل نہیں ہوئی تھی، ابن القطاع یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور شائقین علم کا مرجع بنگیا[3]، یہانتک کہ جذبۂ رشک میں تسہیل الروایۃ کی افواہیں بھی اس کے متعلق مشہور ہوگئیں،

صقلیہ میں مسلمانوں نے اپنے چند صد سالہ دور میں جن علوم و فنون کی خدمت کی، وہ علوم قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، ادب، نحو، شعر و شاعری، طب، فلسفہ، منطق، ریاضیات، ہندسہ، جغرافیہ

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۳۰۵ ۔ [2] مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ در اماری ص ۲۴۸ ۔ [3] معجم الادبا ج ۵ ص ۱۶

اور طبیعیات ہیں، ان کی الگ الگ مختصر سرگذشت حسب ذیل ہے،

علوم قرآن،

علوم قرآن میں تیسری سے پانچویں صدی ہجری تک فن قرأت، تفسیر اور فن ناسخ و منسوخ،[1] اہم علوم تھے، درس و تدریس، اور سلسلۂ روایت میں وہی اہتمام تھا، جو فن حدیث میں برتا جاتا تھا،[2] ان علوم کے ارباب کمال کو "مقری" کا لقب دیا جاتا، مقری کے لئے دوسرے علوم دینیہ یعنی حدیث وغیرہ میں دستگاہ رکھنا ضروری تھا،[3]

صقلیہ کے چند اہل علم اس نسبت سے مشہور ہوئے، یہ ارباب کمال صقلیہ کی مسجدوں میں مسند درس بچھائے تھے، اور اکثر مسجدوں میں درس قرآن جاری تھا، ابن جبیر لکھتا ہے:-

"اور مسجدیں تو بہت ہیں، اور اکثر مسجدیں اساتذۂ قرآن کی خطبہ گاہ ہیں"[4]

صقلیہ کے ان مقرئین اور بعض ایسے علماء کے جن کے علوم قرأت و تفسیر ہیں، ۱۲ نام مل سکے ہیں، جنمیں زیادہ تر چوتھی پانچویں صدی ہجری میں گذرے ہیں، صاحب تصنیف علمائے قرآن اور انکی کتابیں جنمیں سے بعض عالم اسلامی میں اساس فن سمجھی گئیں حسب ذیل ہیں،

(۱) ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف الصقلی متوفی ۴۵۵ھ کی ابن بشکوال، اور ابن خلکان نے توصیف کی ہے، کہ "علوم و آداب میں امام اور فن قرأت میں کامل الفن تھے"، چند کتابیں لکھیں، کتاب الاکتفا فی القرأت اور کتاب العنوان فی القرأت آخر الذکر کے متعلق ابن خلکان کہتا ہے "کہ لوگوں کو اس فن میں اس کتاب پر اعتماد ہے"، اسکا ایک نسخہ ہندوستان میں بھی بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے، لیکن وہ کتاب العیون فی القرأت کے نام سے ہے، یہ ۶۵۲ھ کا مکتوب ہے، تیسری تصنیف کتاب اعراب القرأت ۹ اجزا میں، اور چوتھی کتاب المختصر کتاب الحجۃ فی القرآن لابی علی الفارسی ہے،[5]

[1] الناسخ والمنسوخ ابوجعفر النحاس [2] کتاب الانساب سمعانی ورق ۴۰۵، [3] رحلہ ابن جبیر [4] ابن خلکان ج ۱

(۲) ابوعبداللہ محمد بن ابوالفرج الذکی المازری (م ۵۱۶ھ) کی کتاب الاستیفا علم قرأت میں شہرت رکھتی ہے،

(۳) ابن فحام الصقلی (۵۴۲ھ - ۵۱۶ھ) کے متعلق سلمان بن عبدالعزیز الاندلسی کا بیان ہے، "میں نے کسی کو فن قرأت میں ان سے زیادہ عالم و ماہر نہیں دیکھا، نہ مشرق میں نہ مغرب میں"، ان کی چند کتابیں یہ ہیں، التجرید لبغیۃ المزید فی القرأت السبع، کتاب التجرید فی القرأت اور کتاب مفردات القرآن،

(۴) ابوعمرو عثمان بن علی السرقوسی کی چند کتابوں کا تذکرہ آتا ہے، جنمیں کتاب مخارج الحروف کا نام معلوم ہے،

(۵) حجۃ الدین ابن ظفر الصقلی (م ۵۶۵ھ) کے متعلق اصفہانی لکھتا ہے، "تفسیر و ادب میں امام تھے، اپنے ہمعصر اہل علم پر سبقت لے گئے"، علوم قرآن میں ذیل کی کتابیں ہیں، التفسیر الکبیر، کتاب ینبوع الحیاۃ فی تفسیر الذکر الحکیم، یہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ۳ جلدوں میں ناقص موجود ہے، کتاب فوائد الوحی الموجز الی فرائد الوحی المعجز، کتاب اسالیب الغایۃ فی احکام الآیہ، کتاب اکسیر فی کیمیا التفسیر اور کتاب البرہانیہ فی شرح الاسماء الحسنیٰ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰) ص ۴۴، ۱۳ معجم الادبا یاقوت ج ۲، ص ۲۷۳، ۲ بغیۃ الوعاۃ سیوطی ۱۹۵، کشف الظنون ج ۱ ص ۱۲۲، ۱۲۳ فہرست کتب خانہ بانکی پور ج ۱۸ ص ۳۰۲ تا ۳۰۳، مفتاح الکنوز الخفیہ ج ۱ ص ۱۲، ۱۷، [1] معالم الایمان ج ۳ ص ۱۵، ۲ ترتیب المدارک عیاض در یادگاری ج ۱ ص ۳۸۱، [2] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۲۱۱، کشف الظنون ج ۱ ص ۲۵۵، ج ۲ ص ۲۸۰، مختصر کتاب انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ قفطی، و تلخیص ذہبی در اماری ص ۶۴۵، [3] معجم الادبا ج ۵ ص ۴۳۰ تا ۴۳۳، مختصر انباہ الرواۃ قفطی در اماری، [4] دیکھو کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۴ - ۶۶۵، ابن خلکان ج ۲ ص ۴۵۳، معجم الادبا یاقوت ج ۷، ص ۱۰۳، خریدۃ القصر اصفہانی در اماری ص ۶۰۵ بغیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۵۹، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ابوالفدا ج ۳ ص ۴۹، کشف الظنون ج ۲ ص ۶۶۱، فہرست کتب خانہ خدیویہ ج ۱، ص ۳۲۳،

ان کے علاوہ مختلف صقلی مقرئین کے تذکرے خریدۃ القصر اصفہانی[1]، مختصر ابناء الرواۃ[2]، کتاب المقفی مقریزی[3] اور بغیۃ الوعاۃ سیوطی[4] ابن خلکان جلد ۱ ص ۵۰ میں آئے ہیں،

صقلیہ میں قرأت سبع میں سے قرأت نافع کا رواج تھا، یہی قرأت تمام مغرب میں رائج تھی،[5]

علم حدیث

یوں تو صقلیہ کے چند ابتدائی حملوں میں بعض صحابۂ کرام اور تابعین کے ورود صقلیہ کی روایتیں موجود ہیں، اور حضرت ابو الیقظان عمار بن یاسر کی ایک روایت بھی حضرت ابو عسالہ المعافری سے ایسی منقول ہے، جو انھوں نے سرزمین صقلیہ میں بیان کی[6]، اور صقلیہ پر ابتدائی حملوں کا آغاز ہی ایک نوجوان صحابی حضرت معاویہ ابن خدیج کی سرکردگی میں ہوا، جن کی حدیثیں بھی کتب احادیث میں مروی ہیں،[7]

لیکن ان صحابہ کے ورود کا تذکرہ صقلیہ کے علم حدیث کے بیان میں محض تیمناً و تبرکاً ہی آسکتا ہے، تاہم ایسے بکثرت صحابہ کا تعلق جو ان حملوں میں صقلیہ تشریف لائے، اور مورخین نے ان کے نام بہ سلسلہ ورود قلمبند کئے ہیں، صقلیہ کے علم حدیث سے بالواسطہ یوں ہوتا ہے، کہ افریقہ میں انہی کی شمع فیض سے علم حدیث کی روشنی پھیلی، اور اس کی شعاعیں سرزمین صقلیہ تک پہونچیں،

محدثین کا ورود صقلیہ چنانچہ دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل تک افریقہ میں بکثرت محدثین پیدا ہو چکے تھے، اور ان میں سے کچھ لوگ قاضی اسد کی معیت میں صقلیہ آئے، اور یہاں ان کا سلسلۂ روایت و سماع جاری رہا، جنھیں صقلیہ کے تیسری صدی کے محدثین میں شمار کیا گیا ہے،

احادیث کے مجموعے صقلیہ میں پھر جیسے جیسے احادیث کے مجموعے صحاح، سنن، و مسانید منضبط ہوئے، وہ افریقہ

[1] دراماری ص ۵۸۲، ۵۹۰ [2] دراماری ص ۶۴۷ [3] دراماری ص ۶۶۳ و ۶۶۴ [4] ایضاً [5] احسن التقاسیم مقدسی ۲۲۸ [6] کتاب معالم الایمان ابن ناجی، کتاب الاسماء والکنی دولابی ج ۱ ص ۶۳، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۶۲ [7] امام احمد بن حنبل نے ان کا مسند بھی قائم کیا ہے، ج ۳ ص ۴۰۱ تا ۴۰۲،

اور وہاں سے صقلیہ آتے گئے، موطا امام مالک حدیث کا وہ سب سے پہلا مجموعہ ہے، جو بظاہر افریقہ میں کتابی شکل میں داخل ہوا، اور یہاں سے صقلیہ پہنچا، موطا کے سب سے بڑے قدرداں اسد بن فرات تھے، جنھوں نے امام مالک سے اس کا درس لیا تھا، چنانچہ صقلیہ میں اس کا درس مسلسل جاری رہا، اور بعض بزرگوں نے تو اپنی زندگی کا ایک حصہ اسی کی نذر کر دیا، شیخ ابو سعید لقمان بن یوسف الغسانی التونسی خود فرماتے ہیں، کہ انھوں نے کامل چوّدہ برس تک صقلیہ میں موطا کا درس دیا،[1]

صحیحین میں سے صحیح مسلم کے متعلق تو صقلیہ کو یہ فخر حاصل ہے، کہ اس کی سب سے پہلی شرح کتاب المعلم اسی صقلیہ کے ایک محدث امام مازری نے لکھی، جس کا تذکرہ آگے آئیگا، ترمذی کو صقلیہ میں سب سے پہلی مرتبہ شیخ ابو حفص عمرو بن حسن العویرینی الاندلسی نے روشناس کیا،[2] اور سنن ابی داؤد میں تو اسی کے ایک محدث کی روایتیں موجود ہیں، وہ ابو العباس القلوری متوفی ۲۵۳ھ ہیں، قلوری کی نسبت قلوریہ یعنی کلبریہ کی جانب ہے،

سنن ابی داؤد میں انکی روایتیں زیادہ تر اسی کنیت و نسبت سے مروی ہیں، بعض روایتوں میں "محمد بن عمرو بن عباس" نام آیا ہے، لیکن اکثر تلامذہ "محمد بن عمرو بن عبید" نام لیتے ہیں، تلامذہ کی فہرست میں امام ابن جریر طبری[3] ابو بکر البزاز وغیرہ ہیں،[4]

دور اول، ان کے علاوہ صقلیہ کے علم حدیث کے دور اول یعنی تیسری و چوتھی صدی میں مجھے سولہ محدثین کے نام معلوم ہو سکے، جن کے تذکرے ترتیب المدارک قاضی عیاض[5]، کتاب الانساب سمعانی[6]، طبقات ابو العرب[7]، دیباج المذہب ابن فرحون[8]، معالم الایمان ابن ناجی[9]، کتاب العبر فی خبر من غبر ذہبی، کتاب المقفی

[1] ریاض النفوس دراماری ص ۱۹۲، [2] کتاب مسالک الابصار ابن فضل اللہ الدمشقی دراماری ص ۶۵۵ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۴۶، ۱۴۷ [4] دریادگاری ج ۱ ص ۲۶۹، ۳۰۱، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۷۵، ۳۸۰، ۳۰۱ [5] ورق ۵۲، ۳۵۴، [6] دراماری ج ۲ ص ۹۹، [7] ۸۸، ۲۵۹، [8] ج ۳ ص ۱۴۴، ۱۸۱، [9] دراماری ص ۶۴۸،

مقریزی[1]، التاریخ الکبیر ابن عساکر[2]، اور بغیۃ الوعاۃ سیوطی[3] میں آئے ہیں، اور ان کے شیوخ و تلامذہ کی مفصل فہرست درج کی گئی ہے، جن میں بعض ایسے محدثین ہیں، جو صقلیہ کے حملوں اور اس کے مفتوح ہونے کے بعد افریقہ سے یہاں تشریف لائے، اور یہیں بود و باش اختیار کرلی، اور ان کے فیض صحبت سے صقلیہ میں علم حدیث کا ذوق پیدا ہوا، اور پھر اسی میں چوتھی صدی کے ایسے محدثین ہیں جن کے تلامذہ پانچویں صدی میں صقلیہ کے شیوخ حدیث تھے،

دور ثانی یعنی پانچویں صدی ہجری میں گیارہ محدثین کے اسماء معلوم ہوسکے، یہ وہ محدثین ہیں جنھوں نے یہیں کے اہل علم سے تعلیم و تربیت پائی، اور علم و فن کی خدمت میں مصروف ہوئے، ان میں چند صاحب تصنیف بھی ہیں مثلاً (۱) ابوبکر علی بن داؤد السمنطاری متوفی ۴۶۴ھ کے متعلق ابن القطاع کہتا ہے "فقہ، حدیث میں عمدہ کتابیں تالیف کیں، جو اپنی ترتیب و بیان میں غایت درجہ بہتر ہیں"[4] (۲) ابوبکر محمد بن سابق الصقلی متوفی ۴۹۳ھ نے موطا کی شرح المسالک لکھی[5] اسی طرح اس عہد کے دیگر محدثین صقلیہ کے حالات ذیل کے ماخذوں میں ہیں، ترتیب المدارک عیاض[6]، ذیل الابتہاج[7]، کتاب الانساب سمعانی[8]، بغیۃ الوعاۃ سیوطی[9]، مختصر انباء الرواۃ قفطی[10]، جذوۃ المقتبس حمیدی[11]، کتاب المقفی مقریزی[12]،

دور ثالث یعنی چھٹی اور ساتویں صدی ہجری، اس دور میں اگرچہ اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوچکا تھا، تاہم صقلیہ سے مسلمانوں کے جلاوطن ہونے کے کچھ دنوں پیشتر تک اسلامی تہذیب و تمدن کو اس دور میں بھی تفوق حاصل رہا، اور اگرچہ اس دور کے اکثر اہل علم یہاں سے ہجرت کرگئے تھے، پھر بھی ان کا گہوارۂ علمی صقلیہ ہی تھا،

---

[1] درالاماری ص ۶۶۴، [2] ج ۴ ص ۲۴۵، [3] ص ۳۲۵، ۴۰، [4] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۳۱، ۱۳۲، ذکر سمنطار در صقلیہ، [5] کتاب درالاماری ص ۵۰۰، و تزیین الممالک بمناقب مالک ص ۵۰، [6] در یادگاری ج ۱ ص ۳۷۵، ۳۷۹، [7] بر حاشیہ دیباج ۱۰۴، [8] ورق ۳۵۴، [9] ص ۳۶۱، ۲۲۳، ۲۷۵، [10] درالاماری ص ۶۲۶، ۶۴۰، [11] ص، [12] درالاماری ص ۶۶۳،

اور ہجرت کے بعد انھوں نے یا ان کے خاندان نے اپنے اجڑے وطن سے اپنا انتساب باقی رکھا،

اس دور کے محدثین میں سب سے پہلا نام امام مازری یعنی ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر التمیمی متوفی ۵۳۶ھ کا آتا ہے، ابن خلکان کہتا ہے "یہ ان اعلام میں ہیں جن کی جانب حدیث و کلام میں انگلیاں اٹھتی ہیں..... ارباب فضل میں ہیں، اور مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے ہیں" ابن فرحون کہتا ہے:-

"وہ اہل افریقہ و ماوراء مغرب کے امام ہیں، امام ان کا لقب قرار پاچکا ہے، کوئی شخص انھیں بغیر امام مازری کے جان نہیں سکتا"

امام مازری کی مختلف علوم میں تالیفات ہیں، علم حدیث میں ان کی شہرۂ آفاق تالیف مسلم کی شرح کتاب المعلم ہے، اس کا نام مختلف مورخین نے مختلف لکھا ہے، جس میں لفظ "المعلم" جزء مشترک ہے،

کتاب المعلم سے پیشتر مسلم پر جس قدر کتابیں لکھی گئیں ان کی حیثیت استدراک کی تھی، المعلم مسلم کی سب سے پہلی شرح ہے، جو دراصل ان حواشی و تعلیقات کا مجموعہ ہے، جو امام مازری نے اپنے تلامذہ کو مسلم کے درس میں املاء کرائے تھے، اسی کو مدون کرکے کتاب المعلم کے نام سے موسوم کیا، اس کا صرف ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ مصر میں محفوظ ہے، اس کے بعد مسلم پر جس نے قلم اٹھایا، کتاب المعلم اس کے لئے دلیل راہ بنی، چنانچہ اکمال المعلم بفوائد مسلم قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ اکمال اکمال المعلم وشتانی متوفی ۸۲۸ھ اور مکمل اکمال الاکمال سنوسی متوفی ۸۹۵ھ اسی کے نقوش ہیں، موخر الذکر کتاب چند سال گذرے شائع ہوگئی ہے،

ڈاکٹر گریفینی نے کتاب المعلم پر ایک بسیط مقالہ لکھا ہے، جس کے مباحث زبان کی اجنبیت کے باعث ابھی تک معلوم نہ کرسکا، ان میں عربی متن کے چند اقتباسات بھی ہیں، جو خدیویہ نسخہ سے منقول ہیں، ان میں مثلاً ذیل کے مباحث ہیں، نقد بر صحیح مسلم، لفظ ارادہ و عزم کا فرق، حقیقت کذب، معتزلہ کی نفی قدر، راوی ابوزرعہ کی تحقیق، مومن و فاسق کے دخول جنت کی حقیقت، لفظ مسیح کی تحقیق وغیرہ، یاقوت نے امام مازری کو شارح موطا لکھا ہے، لیکن کسی دوسری روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی، شاید اس نے التباساً شارح مسلم کے بجائے شارح موطا لکھ دیا ہو،

امام مازری کی علم حدیث میں ایک دوسری کتاب تعلیقات برروایت جوزقی کا تذکرہ ازہار الریاض میں ہے،
جوزقی کی ایک کتاب کتاب الصحیح المخرج علی صحیح مسلم کا تذکرہ، تذکرۃ الحفاظ میں ہے، کیا عجب کہ یہ حواشی اسی پر ثبت ہوں،
ان کے علاوہ اس دور میں اور پانچ محدثین کے نام ملتے ہیں، ان کے حالات کے لئے دیکھئے دیباج المذہب
ابن فرحون (ص ۲۸۱) نیل الابتہاج (ص ۲۲۷) کتاب المقفی مقریزی (در اماری ص ۶۶۷، ۶۲۵) بغیۃ الوعاۃ
(در اماری ص ۶۷۶) اور کتاب الوافی بالوفیات صفدی (در اماری ص ۲۵۹)

علم فقہ

فرق ومذاہب کے بیان میں گذر چکا ہے، کہ قاضی اسد کے تلامذہ وحلقۂ ارادت کے حنفی المذہب ہونے کے باعث ابتداءً یہاں مذہب حنفی رائج رہا، پھر افریقہ میں مذہب مالکی کی اشاعت اور وہاں کے اہل علم کی یہاں کثرت آمد ورفت کی وجہ سے یہاں بھی مذہب مالکی کو فروغ حاصل ہوا، نیز یہاں کے عہدۂ قضاء پر مالکی فقہاء کے مسلسل سرفراز ہونے کے باعث بھی اس مذہب کو یہاں ترقی حاصل ہوئی، قاضی صقلیہ ابن کحالہ متوفی ۲۸۹ھ کے حالات میں ہے کہ صقلیہ کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے، یہاں علم کی کثیر اشاعت کی، اور انہی سے مذہب مالکی کو یہاں فروغ حاصل ہوا[۱]،

اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ صقلیہ کے فقہاء کے حالات میں جو کتابیں اسوقت تک دستیاب ہوئی ہیں، وہ

[۱] امام مازری کے حالات اوران مباحث کے لئے دیکھئے دیباج المذہب (ص ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۷) ابن خلکان ج ۱ ص ۵۱۶ و ج ۲ ص ۱۶) تذکرۃ الحفاظ (ج ۴ ص ۱۰۱ و ج ۴ ص ۲۱۹) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ سبکی (ج ص ۱۲۴) کتاب المقفی المقریزی (در اماری ۵۹۵) مراۃ الجنان یافعی ج ۴ ص ۴۴۷، فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر (ج ۱ ص ۳۴۰ تا ۳۴۲، ۳۲۶) مقالی شمالی افریقہ پر چند کتابیں، ایڈ فاگنان (در یادگاری ج ۲ ص ۹۲) ومقالہ کتاب المعلم گبریلفیئی (در یادگاری ج ۱ ص ۳۸۴) معجم البلدان یاقوت (ذکر شہر مازر) اور امام مازری کے تلامذہ کے لئے دیکھو تاریخ الادویہ بعض الدولۃ الموحدیہ زرکشی (در اماری ص ۵۲۲) دیباج المذہب ص ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۰۸ اور التکملہ ابن آبار (ص ۴۴۳) وغیرہ [۲] دیباج المذہب ص ۱۱۹،

زیادہ تر مالکی مصنفین کی ہیں، اور طبقات مالکیہ ہی میں ہیں، اس لئے صقلیہ کے حنفی فقہاء کے نام بجز ایک دو، مثلاً اسد کے شاگرد ابویحییٰ احمد بن محمد بن قادم متوفی ۲۲۷ھ[۱] کے اور معلوم نہیں، اور بعض فقہاء کے متعلق اگر کہیں تصریح ملتی ہو کہ وہ حنفی فقہاء میں تھے، تو اسی کے ساتھ طبقات مالکیہ میں بھی مالکی حیثیت سے ان کا نام موجود ہے، مثلاً قاضی ابوعمرو محمد ابن میمون کو ان کے شاگرد ابوالعرب نے اپنی طبقات میں حنفی المذہب لکھا ہے[۲]، لیکن دوسری طرف ابن فرحون نے بھی ان کا تذکرہ ان کے مالکی المذہب ہونے کی حیثیت سے اپنی دیباج میں کیا ہے[۳]، یہی وجہ ہے کہ صقلیہ کے جتنے فقہاء کے نام معلوم ہو سکے، ان میں قریب قریب سب کے سب فقہ مالکی کو صقلیہ میں فروغ دینے والے تھے، جنھوں نے فقہ مالکی پر مستند کتابیں لکھیں، اور یہ کتابیں بھی زیادہ تر فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ کی شرح اور نقد میں ہیں،

ذیل میں صقلیہ کے فقہاء اور ان کی تالیفات بہ طبقات پیش ہیں، یہ کتابیں فقہ کے مختلف شعبوں فقہ، اصول فقہ، اور علم فرائض میں ہیں،

دور اول، تیسری چوتھی صدی ہجری

اس دور میں نو فقہاء کے نام معلوم ہو سکے جنمیں بعض ایسے بھی ہیں جنھوں نے افریقہ سے آکر یہاں توطن اختیار کیا، اور یہیں پیوند زمین ہوئے، ان میں سے صاحب تصنیف اور ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں،

(۱) ابن براذعی القیروانی متوفی بصقلیہ نے صقلیہ میں ذیل کی کتابیں لکھیں، مطول التہذیب، مختصر التہذیب افریقہ میں انھوں نے المدونہ کا ایک اختصار مختصر التہذیب لکھا تھا، اسی پر وہ دونوں کتابیں لکھیں، قاضی عیاض کہتے ہیں، "یہ طلبائے اندلس ومغرب میں مقبول عام ہیں"، معالم میں ہے، "ہمارے زمانے میں تمام مشرق ومغرب میں مقبول ہے" تیسرا رسالہ کتاب الشرح والتمامات، چوتھا کتاب اختصار الشرح اور پانچواں تمہید مسائل المدونہ ہے

[۱] ریاض النفوس در اماری ص ۱۰۵، معالم الایمان ج ۲ ص ۴۷، طبقات ابی العرب در یادگاری ج ۲ ص ۸۰ و ۱۰۳، [۲] در یادگاری ج ۲ ص ۹۹، [۳] ص ۳۳۴،

خیال ہوتا ہے، کہ شاید تیسرا اور چوتھا رسالہ اول الذکر دونوں رسالوں کے نام ہوں[1]،

(۲) ابن الحکار الصقلی کی تین کتابوں کے نام معلوم ہیں، شرح المدونہ[2] تقریباً ۳۰۰ اجزا ہیں، انتقاد علی التونسی فی الف مسئلۃ، یہ ابن اسحٰق تونسی کی شرح المدونہ پر نقد ہے، مختصر کتاب التمامات لبراذعی[3]، بقیہ فقہا کے لئے جو فقہ وعلم فرائض میں شہرت رکھتے تھے، دیکھئے ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۳۷۰، ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۷۵، ۳۵۰، ...) معالم الایمان (ج ۲ ص ۲۶ ج ۳ ص ۱۸۳) دیباج المذہب ص ۱۱۹، البیان المغرب ج ۱ ترجمہ اردو ص ۲۲۲

دور ثانی — پانچویں صدی ہجری

اس دور کے ۱۶ فقہا کے نام ملے ہیں، جنہیں سے بعض اسلامی سلطنت کے زوال پر یہاں سے ہجرت کر گئے (۱) شیخ ابو محمد عبد الحق بن محمد ہارون السہمی الصقلی متوفی ۴۶۶ھ اسی دور کے ممتاز اہل علم میں ہیں، قاضی عیاض کہتے ہیں "نہایت عمدہ تالیفات ہیں"، ابن عمار المتکلم کا بیان ہے، "ہر علم وفن کے مشہور امام ہیں، لوگوں پر سبقت رکھتے ہیں، اصول وفروع کے استاذ ہیں"، فقہ میں النکت[1] والفروق لمسائل المدونہ جو المدونہ پر پہلا استدراک ہے، تہذیب[2] المطالب شرح مدونہ جز[3] فی بسط الفاظ المدونہ اور استدراک[4] علی البراذعی ان کی تصنیفات ہیں، سفر حج میں امام الحرمین سے تحریری مذاکرہ رہا تھا، یہ تحریر قاضی عیاض کی نظر سے گذری تھی[5]، (۲) علی بن مفرج الصقلی متوفی ۴۷۰ھ بھی صاحب تصنیف ہیں، کسی کتاب کا نام معلوم نہیں، البہجۃ العلیۃ میں براذعی کی ایک تصنیف ان کی طرف منسوب ہو گئی ہے[6]، (۳) ابن ظفر الصقلی کی بعض کتابیں فقہ میں ہیں، (۴) ابن یونس الصقلی متوفی ۴۵۱ھ کی جو فقہ و فرائض میں امام و ماہر کہے گئے، ایک کتاب شرح المدونہ اور دوسری علم فرائض میں تھی، اور (۵) ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج الذکی المازری کے دو رسالے، ایک اعتراضات بر قاضی سیوری اور دوسرا تعلیق بر فقہ مالکی ہیں، اور اسی طرح چند اور فقہا اس دور میں ہیں، جن میں سے اکثر کو قاضی

[1] معالم الایمان ج ۳ ص ۱۸۴ تا ۱۸۹، و ترتیب المدارک در یادگاری، [2] دیباج ص ۸۸، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۳۰۲، [3] دیباج المذہب و ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۳۷۶، [4] ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۳۰۳ و مقالہ بارو تھس "قسطنطنیہ اور قاہرہ کے کتب خانے" در یادگاری،

عیاض نے مشاہیر فقہائے صقلیہ میں بتایا ہے، اور ان کا مشغلہ درس و تدریس تھا، حالات کے لئے دیکھئے، معالم الایمان (ج ۲ ص ۲۵۰) ترتیب المدارک (در یادگاری ج ۱ ص ۳۰۰، ۳۷۵، ۳۸۴) بغیۃ الوعاۃ سیوطی (ص ۹۰) نیل الابتہاج (برحاشیہ دیباج ص ۱۸۴) کتاب المقفی مقریزی (در اماری ص ۶۶۵) معجم البلدان (ج ۵ ص ۱۳۲) انتخاب سلوان المطاع (در اماری ص ۶۸۹)

دور ثالث — چھٹی صدی ہجری

فقہ کے تیسرے دور کا آغاز علم حدیث کی طرح امام مازری متوفی ۵۳۶ھ ہی سے کیا جا سکتا ہے، قابل ذکر امر یہ ہے، کہ انہیں "امام" کا لقب تبحر فقہی کے باعث ملا تھا، ابن فرحون لکھتا ہے، "جو شیوخ افریقیہ فقہ کی تحقیق و تدقیق، رتبہ و اجتہاد و دقت نظر اور اصول علوم دین کے درس میں مشہور تھے، انکا انہی پر خاتمہ ہوا، انھوں نے ان امور میں تقدم حاصل کیا، اور اپنے تمام ہمعصروں پر سبقت لے گئے، ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر فقہ مالکی میں ان سے زیادہ تفقہ رکھنے والا، ان سے زیادہ مذہب سے آشنا کوئی دوسرا موجود نہ تھا"

فقہ و اصول فقہ میں ان کی ذیل کی کتابیں ہیں، شرح کتاب التلقین، لابی محمد عبد الوہاب بن علی البغدادی المالکی متوفی ۴۲۲ھ، ابن فرحون کہتا ہے، اس کتاب کے مثل مالکیوں کے پاس کوئی دوسری کتاب موجود نہیں، ایضاح المحصول من برہان الاصول، امام الحرمین ابو المعالی الجوینی متوفی ۴۷۸ھ کی مشہور کتاب البرہان فی اصول الفقہ کی مبسوط شرح ہے، اور بعض مسائل میں امام الحرمین کے نقد بر فقہ مالکی کا جواب نقد ہے، مجموعہ فتاوی اور تعلیقات بر مدونہ[1]،

اسی طرح اس دور کے گیارہ اور فقہا ہیں، جن کے علم و فضل اور تفقہ کو مورخین نے بیان کیا ہے، ان کے تذکرے معالم الایمان ج ۳ ص ۱۴۱، رفع الاصر عن قضاۃ مصر ابن حجر عسقلانی، اخبار مصر ابن میسر ج ۲ ص ۸۴، معجم البلدان یاقوت (ج ۵ ص ۲۱۶، ذکر شہر بنیا و خجلود) خریدۃ القصر اصفہانی (در اماری) کتاب المقفی مقریزی

[1] دیباج المذہب ص ۲۸۰، طبقات الشافعیہ سبکی ترجمہ امام الحرمین، مقالہ شمالی افریقہ و صقلیہ پر چند کتابیں، ایڈمنڈ فاگنان پروفیسر الجزائر در یادگاری ج ۲ ص ۷۹۲،

(در اماری ص ۴۶۶) میں آئے ہیں،

دورِ رابع فقہائے صقلیہ کا ایک چوتھا دور بھی قائم ہو سکتا ہے، یہ وہ فقہا ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں صقلیہ کی طرف منسوب ہیں، جنہیں سے اگرچہ بعضوں نے تو شاید صقلیہ کی سرزمین پر کبھی قدم بھی نہ رکھا ہو، لیکن جب انھوں نے اپنے خاندان کے اجڑے وطن سے اپنا انتساب قائم رکھ کر اس کی یاد تازہ رکھی، تو ان کے اس اجڑے وطن کی سرگذشت میں انہیں کیوں نہ یاد کر لیا جائے، لیکن انکی تعداد ۴،۵ سے زیادہ نہیں، ان میں سے شیخ ابو عبد اللہ فخر الدین محمد بن محمد الصقلی قاضی دمیاط متوفی ۶۷۲ھ صاحبِ تصنیف بھی ہیں، ان کی ایک کتاب التنجیز فی تصحیح التعجیز فقہ شافعی میں ہے، جو ابن یونس الموصلی متوفی ۶۷۱ھ کی کتاب التعجیز فی مختصر الوجیز پر نقد و استدراک ہے، اور ابن حیون الشکلی ابو عبد اللہ محمد بن علی وہ آخری فقیہ ہیں، جنھوں نے اپنے انتساب سے صقلیہ کے اسلامی علم و فن کی یاد تازہ رکھی، اور عجب کیا کہ انہی پر صقلیہ کے انتساب کا خاتمہ ہوا ہو، سنہ ۹۶۰ھ میں وفات پائی، ان فقہا کے حالات عنوان الدرایہ فیمن عرف من العلماء فی المائۃ السابعۃ ببجایہ (ص ۱۳۱، ۱۶۹) طبقات الشافعیہ (ج ۶ ص ۱۳۱) کتاب المقفی مقریزی (در اماری ص ۶۶۵) اور معاذ فاگنان (در یادگاری ج ۲ ص ۱۰۰) میں ملیں گے،

علم کلام و مناظرہ

علم کلام میں صقلیہ کے اہل علم سلف صالحین کے متبع اور مسلکاً اشعری تھے، قاضی اسد کے متعلق بعض افواہیں ایسی مشہور ہوئی تھیں، کہ انھوں نے سلف صالحین کے مسلک سے تجاوز کیا، لیکن مستند مورخین اور اہل علم نے انکی تردید کی، اور بتایا کہ ان کا دامن بدعات سے ہمیشہ پاک رہا، اور مسئلہ خلق قرآن اور رویت باری کے متعلق انکے معتقدات و اقوال استشہاداً پیش کئے[1]، اور مالکیوں کے متعلق تو معلوم ہے، کہ ان کا اشعری ہونا ضروری ہے، اس لئے صقلیہ میں مذہب حنفی و مالکی دونوں کے متبعین علم کلام میں سلف صالحین کا مسلک رکھتے

[1] معالم الایمان ج ۲ ص ۱۳، دیباج المذہب ص ۹۰، ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۲۲۲ و ج ۲ ص ۲۲۵،

اور اشعری کہلاتے تھے، اور صقلی اہل علم نے علم کلام میں جو کتابیں لکھیں وہ اشعری مذہب ہی پر ہیں، صقلیہ کے چھ سات ایسے اہل علم کے نام معلوم ہیں جو علم کلام میں تبحر رکھتے تھے، اور اس فن میں کتابیں لکھیں، (۱) ابو محمد عبد الحق بن محمد بن ہارون السہمی نے اسلامی عقائد کے بیان میں ایک رسالہ لکھا[1]، (۲) ابن ظفر الصقلی کی تصنیفات میں کتاب التنجیر جو کتاب المقفی میں کتاب التنجیر کے نام سے ہے، کتاب المعاوات[2]، کتاب الجنۃ فی اعتقاد اہل السنۃ اور کتاب معاتبۃ الجری علی معاقبۃ البری فی اعتقاد ابی حنیفۃ والاشعری، چار رسالے ہیں[3]، (۵) ابن ابی الفرج الذکی الصقلی متوفی ۵۱۲ھ صقلیہ کے مناظرین میں تھے، طبیعت کسی قدر تیز اور مناظرہ پسند تھی، انھوں نے مشرق کا سفر کیا، ملک شاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے، اس کے دربار میں امام غزالی سے علماء کا جو مشہور مناظرہ ہوا تھا اس میں معترضین کی صف میں یہ بھی تھے، پھر مشرق کی سیاحت کے لئے نکلے، خراسان و غزنی پہنچے، اور ان کے بعد اسی صقلی اہل علم کے متعلق بہ تعیین معلوم ہے، کہ اس نے سرزمین ہند کو بھی اپنے ورود سے مشرف کیا، ان سفروں میں جہاں جہاں گئے، علماء سے مناظرہ کرتے رہے، سمعانی نے ان کے بعض دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں، جنھیں سیوطی نے نقل کیا ہے[4]،

(۶) امام مازری متوفی ۵۳۶ھ مسلک اشعری سے سرمو تجاوز نہ کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیف ایضاح البرہان فی اصول الفقہ میں امام الحرمین پر ایسے مواقع پر شدید نکتہ چینی کی ہے جہاں ان[5] کے عمومی مسلک سے انحراف نظر آیا ہے، ان دونوں کے اختلافی مسائل میں ایک مسئلہ استرسال بھی اہل علم کے درمیان شہرت رکھتا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں[6]، کلام میں امام مازری کی چند مستقل کتابیں بھی ہیں جن میں ایک کتاب الکشف والانباء عن المترجم بالاحیاء ہے، جو امام غزالی کے رد میں ہے، علامہ سبکی نے اس رسالہ کے کچھ اقتباسات درج کئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے، کہ امام مازری نے امام غزالی اور ان کی تالیف پر تبصرہ کرتے

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۰۷، [2] سلوان المطاع در اماری ص ۶۰۸، ۶۵۰، ۶۹۰، و کتاب المقفی مقریزی در اماری ص ۶۶۶، [3] ترتیب المدارک در یادگاری ج ۱ ص ۳۰۲، [4] بغیۃ الوعاۃ ص ۹۰، [5] طبقات الشافعیہ سبکی ج ۲ ص ۲۶۳

ہوئے موحدین، فلاسفہ، متصوفہ اور اصحاب اشارات کے مذہب پر روشنی ڈالی ہے، کہ امام مازری کے ان
میں امام غزالی کی تصنیفات انہی مسائل پر مشتمل ہیں، نیز انھوں نے مختلف مذاہب کے باہمی اختلاف کا تذکرہ
کرکے امام غزالی کے بعض مسلک کی تردید کی ہے، علامہ سبکی نے امام مازری کے اعتراضات کا خلاصہ نقل کیا ہے،
جس کی تلخیص مولانا شبلی مرحوم نے الغزالی میں درج کی ہے[1]،

ان کی دو اور کتابیں کتاب کشف الغطاء عن لمس الخطاء، اور النکتۃ القطعیۃ فی رد علی الحشویہ امام
غزالی کے رد میں ہیں، مقری صاحب نفح الطیب نے تذکرہ کیا ہے[2]،

حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی وہ سب سے پہلے شخص ہیں، جنھوں نے فلسفہ کے خلاف علم اٹھایا، اور تردید
کرنی چاہی، لیکن اس میں شبہہ نہیں، کہ یہ پہلا اقدام تھا، توازن میں بے باکی نہ آسکی، علامہ ابن تیمیہ نے اسی نقش
اول پر بیباکی اور بے مرعوبی سے عمارت کھڑی کی، اور کامیاب ہوئے، لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں یہاں
صرف یہ دکھانا ہے، کہ امام مازری ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے امام غزالی کی غلطیاں محسوس کیں اور
پھر قاضی عیاض، محدث ابن صلاح، اور ابن جوزی وغیرہ نے انہی کے نقش قدم کی پیروی کی،

امام مازری کی علم کلام میں ایک اور تصنیف نظم الفرائد فی علم العقائد بھی ہے[3]،

کتاب الصلہ ابن بشکوال (در اماری ص ۱۷۰) اور ترتیب المدارک (در یادگاری ج ا ص ۳۷۹)
میں ایک دو صقلی اہل علم کے اور نام ہیں، جو علم کلام میں مشہور تھے،

علم تصوف

صقلیہ کے مختصر اسلامی دور میں بعض باکمال صوفیہ بھی اس کی خاک سے اٹھے، اور اپنی تصنیفات و
اسوۂ عمل سے مسلمانان صقلیہ کی روحانی تسکین کا ذریعہ بنے، اور مسلمانوں اور اسلامی حکومت نے بھی ان
بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل میں سہولتیں بہم پہنچائیں، اور رباط تعمیر کراکر قیمتی جاگیریں وقف کیں،

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ترجمہ امام غزالی [2] ازہار الریاض فی اخبار عیاض در یادگاری اماری ج ۲ ص ۹۴،
[3] دیباج ص ۲۸۰،

لیکن بدقسمتی سے یہ خانقاہیں اور جاگیروں کے اوقاف مفاسد کا ذریعہ بن گئے، اور ان پر ابو
اور خود غرضوں کا تسلط ہو گیا، ابن حوقل نے ان خانقاہوں کے رازدروں کا پردہ چاک کیا ہے، اور
نہایت سخت حملے کئے ہیں[1]، مگر صقلیہ کا سنجیدہ خیال طبقہ خدع و فریب کے ان مظاہر سے متاثر نہ تھا، وہ
تصوف کی حقیقی منزلت سے آگاہ تھا، اسی دور کے ایک معزز عہدہ دار نے اپنے ایک قطعہ میں تصوف پر
اظہار خیال کیا ہے، وہ کہتا ہے "تصوف صوف کے کپڑے پہننے کا نام نہیں اور نہ تصوف شور و شغب اور
رقص و طرب کو کہتے ہیں، تصوف نام ہے اخلاص و تصفیۂ قلب کا، اور علم حق، قرآن اور دین کے اتباع کا......[2]

نیز اس عہد میں صقلیہ حقیقی حاملین تصوف سے بھی خالی نہ تھا، تقریباً گیارہ بارہ ایسے بزرگوں کے حالات
دستیاب ہوئے، جو اپنے زہد و ورع، تقدس اور اخلاص و احسان سے مقبول انام تھے، اور شیخ سری صقلی،
شیخ ابوہارون الاندلسی، اور شیخ جنید بغدادی رحمہم اللہ کے حلقۂ ارادت سے فیضیاب ہوئے، ان میں سے
پانچ بزرگوں کا زمانہ تیسری چوتھی صدی ہجری ہے، جن کے حالات معالم الایمان (ج ۲ ص ۱۰۱ تا ۱۰۲)
اور ریاض النفوس (در اماری ص ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۸۶) میں ہیں، اور چھ بزرگوں کے نام جو پانچویں چھٹی صدی میں
گذرے ہیں، جذوۃ المقتبس (در اماری ص ۵۷۸) کتاب المقفی مقریزی (در اماری ص ۶۶۳) معجم البلدان
(ج ۵ ص ۱۳۱) الالحان المسلیہ (در یادگاری ج ا ص ۲۹۷) اور ریاض النفوس (در اماری ص ۱۸۸) میں ہیں
پہلے دور کے صوفیہ میں سے شیخ ابو القاسم البکری الصقلی نے تصوف میں اپنی تالیفات بھی یادگار چھوڑی
ہیں، یہ تصوف و زہد و صلاح و تقویٰ میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، علوم دینیہ میں بھی کامل دستگاہ
رکھتے تھے، تصوف میں انکا مسلک ہندوستان کے سرچشمۂ معارف حضرت مجدد الف ثانی سے مشابہ تھا،
صاحب معالم کا بیان ہے، "تصوف کی بنیاد انھوں نے کتاب و سنت اور اس ضمیر پر قائم کی جس پر سلف اول
تھے، اور آراء و استحسان کو ترک کیا، ان کی تصنیفات میں کتاب جواہر الالفاظ و ظہور الانوار المعروف بہ الانوار

[1] کتاب المسالک والممالک ابن حوقل ص ۸۵، [2] خریدۃ القصر اصفہانی در اماری ص ۵۹۰،

صقلی ہے، اس کا ایک نسخہ لیڈن کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس میں متبعین اسلام کے اوصاف بیان کرکے
عرفانِ حق "معرفتِ دین" "معرفت دشمنانِ دین" اور معرفت دنیا و اہل دنیا، کو اصل تصوف قرار دیا ہے[1]
دوسری کتاب صفۃ الاولیاء و مراتب احوال الاصفیاء ہے، اور تیسری کتاب کرامات الاولیاء والمتبعین
من الصحابۃ والتابعین ومن تبعہم باحسان ہے، ان میں سے اول الذکر میں اولیاء و صوفیہ کے حالات و تراجم ہیں
اور دوسری میں فقہا کی جماعت کو خطاب کرکے کراماتِ اولیاء کے ممکن الوقوع ہونے کے دلائل سمجھائے ہیں[1]

علم تاریخ

علم تاریخ میں صقلی اہل علم کی صرف چند کتابیں معلوم ہیں،

تاریخ ممالک میں اولاً ابن القطاع الصقلی، اور ابو علی حسن بن یحییٰ کی تاریخیں ہیں، اور دونوں
تاریخ صقلیہ کے نام سے موسوم ہیں، ابوعلی کی تاریخ کا تذکرہ یاقوت (۶۲۶ھ) اور قزوینی (۶۸۲ھ)
نے کیا ہے، اور موخر الذکر کی کتاب کے ایک نسخہ کا پتہ حسن حسنی عبدالوہاب (جامع تیونس) کے پاس چلا ہے،
تیسری کتاب ابن احمدیس الصقلی متوفی ۵۲۰ھ کی تاریخ جزیرۃ الخضراء ہے جو اندلس کے کسی عہد کی تاریخ
پر مشتمل ہے، حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے، اور ابن رشیق قیروانی کی تاریخ القیروان بھی لائق ذکر ہے، کہ
وہ سسلی ہی میں تالیف پائی، جیسا کہ میں اپنے ایک مقالہ میں بہ تفصیل دکھا چکا ہوں[2]،

سیرت و طبقات میں ابن ظفر الصقلی کی چند کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب خیر البشر بخیر البشر
(حاجی خلیفہ نے خبر البشر لکھا ہے) ہے جس میں آنحضرت صلعم کے متعلق صحف سماوی کی پیشین گوئیاں درج ہیں
اس کا تذکرہ ابن ظفر نے اپنے ضمیمہ سلوان المطاع اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، اس کے
چند نسخے کتب خانہ پیرس، کتب خانہ عارف حکمت بک مدینہ منورہ میں (جس کا تذکرہ معارف کے مقالہ

[1] مسالک الابصار ج ۳ ص ۱۸۰ تا ۱۸۳، و اقتباس کتاب جواہر الالفاظ در اماری ص ۶۹۸، ۶۹۹،

[2] معارف ج ۲۲ ص ۲۰ تا ۳۱،

"حجاز کے کتب خانے" میں آیا ہے،) اور کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہیں، اور ۱۳۲۳ھ میں مصر سے شائع بھی
ہو چکی ہے، (اکتفاء القنوع بما ہو المطبوع) دوسری کتاب اعلام النبوۃ ہے (کشف الظنون) اور تیسری
کتاب انباء نجباء الابناء ہے، جو طبقات میں ہے، اس کے دو نسخے پیرس، اور کتب خانہ عارف حکمت بے میں
ہیں، اور اس کا مختصر برلن اور گوتھا کے کتب خانوں میں ہے، مصر سے چھپ بھی چکی ہے، **طبقات**
میں شیخ ابوبکر عتیق سمنطاری متوفی ۴۶۴ھ کی دو کتابیں اخبار العلماء اور اخبار الصالحین ہیں، موخر الذکر
کو یاقوت نے دس مجلدات میں بتایا ہے[1]،

تذکرۂ شعراء میں ابن القطاع الصقلی متوفی ۵۱۵ھ کی دو کتابیں ہیں جن میں ایک الدرۃ الخطیرہ
فی المختار من شعراء الجزیرہ ہے، جو جزیرہ صقلیہ کے شعراء کے ذکر میں ہے، اس میں ۱۷۰ شعرائے صقلیہ کے حالات
اور تقریباً ان کے ۲۰ ہزار اشعار تھے، عماد الدین اصفہانی نے اپنی خریدۃ القصر و جریدۃ العصر میں اور ابن سعید
نے کتاب المغرب کے ایک ٹکڑے الحان المسلیہ فی حلی جزیرۃ صقلیہ میں اقتباسات درج کئے ہیں، جو برٹش
میوزیم اور پیرس کے کتب خانوں میں ہیں، اور اب اس کے ایک اختصار المنتحل من الدرۃ الخطیرہ لاسحٰق بن
اغلب کا پتہ کتب خانہ تیموریہ میں چلا ہے، اور دوسری کتاب لمح الملح ہے، جس میں اسی طرح پر شعرائے اندلس
کے حالات ہیں، کشف الظنون اور ابن القطاع کے سوانح میں تذکرہ آیا ہے، اور تذکرہ شعراء و ادباء میں ایک
اور کتاب ابن بشرون الصقلی کی المختار فی النظم والنثر لافاضل اہل العصر ہے، جس میں اپنے ہمعصر شعراء و ادباء
کے حالات و نمونہ کلام درج کئے ہیں، حاجی خلیفہ نے تذکرہ کیا ہے، اور ابن خلکان اور عماد الدین کے ماخذ
میں ہے،

(باقی)

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۲۱،

تغلق نامہ

اور

اُس کے نقاد

از جناب محمد باقر نسیم رضوانی ایم اے، ریسرچ اسسٹنٹ شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی،

"مثنوی "تغلق نامہ" مجلسِ مخطوطاتِ فارسی، حیدرآباد (دکن) کی طرف سے شائع ہوئی تھی، یہ مثنوی مولوی رشید احمد مرحوم نے کتب خانہ حبیب گنج کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کی تھی، مرحوم نے اس پر ایک ناتمام مقدمہ بھی تحریر کیا تھا، جو ان کی بے وقت موت سے مکمل نہ ہو سکا، بعد میں یہ مثنوی سید ہاشمی فرید آبادی نے ایک دیباچہ اور خلاصۂ مثنوی کے اضافہ کے ساتھ شائع کی ہے[1]، دیباچہ اور مقدمہ پر ایک تنقیدی مضمون سید مقبول احمد صمدنی نے ہندوستانی اکیڈیمی کے تماہی[2] رسالہ میں شائع کیا ہو جس میں انھوں نے فاضل مرتب کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف آرار کا اظہار کیا، پھر مجلہ شاہکار[3] میں اس مضمون کے سلسلہ کی چند قسطیں شائع ہوئی ہیں، میرا مضمون انہی مطبوعہ تنقیدوں سے متعلق ہے"،

"ن ر"

تغلق نامہ کے متعلق چشمدید شہادت سید مقبول احمد صمدنی مجلہ شاہکار (جلد ۱- نمبر ۱) میں تحریر فرماتے ہیں،

"تواتر روایات اگر کوئی چیز اور ماننے کے قابل بات ہے، تو اس کی گواہی زیادہ زبانی کمتر قلمی موجود ہے، مگر چشم دید ایک بھی نہیں، کہ امیر خسرو دہلوی کی تصنیفات میں سے ایک تغلق نامہ بھی تھا"

[1] معارف:- یہ مقدمہ مثنوی کی اشاعت سے پہلے معارف بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکا ہے، [2] اشاعت جولائی سنہ ۱۹۳۴ء [3] جلد ۱ نمبر ۱-۲-۳ و ۴

یہ سمجھ میں نہیں آسکا، کہ چشم دید گواہی سے سید مقبول احمد صاحب کی مراد کیا ہے، اگر ان کی یہ مراد ہے کہ کسی تذکرہ نگار نے یہ نہیں لکھا، کہ اس نے امیر خسرو دہلوی کو تغلق نامہ لکھتے ہوئے دیکھا ہے، تو یہ شہادت شاید کسی تصنیف کے متعلق بھی نہ مل سکیگی، لیکن اگر آپ ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو مختلف تذکروں میں تغلق نامہ اور امیر خسرو دہلوی کی تصنیف تغلق نامہ کا ذکر نظر آئیگا، چنانچہ آپ خود بھی اپنے مضامین میں منتخب التواریخ (بدایونی)، کشف الظنون (حاجی خلیفہ) گلشنِ ابراہیمی (فرشتہ) خزانۂ عامرہ (آزاد بلگرامی) اور ید بیضا، (آزاد بلگرامی) میں اس کا ذکر موجود ہونا تسلیم کر چکے ہیں، یہی نہیں، بلکہ آپ کو یہ بھی یقین ہے کہ برطانوی عجائب خانہ میں سر ہنری ایلیٹ کے کاغذات کے ساتھ ملک الشعرا فیضی کا جو رقعہ بنام راجہ علیخاں فاروقی والیِ خاندیس محفوظ ہے، وہ بھی جعلی نہیں، اس رقعہ میں فیضی نے والیِ خاندیس سے استدعا کی ہو کہ

"از کتابِ تغلق نامہ کہ از انفاسِ مقدسۂ امیر خسرو ہست، چند ورق از اول و چندے از آخر رفتہ التفات فرمودہ دو جزو از اول و ہمیں قدر از آخر بہ یکے از خدمتگاراں امر فرمایند کہ بہر خطے سودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب حاملان عریضہ فرستند[1]"،

اس سے صاف ظاہر ہے، کہ فیضی کے پاس تغلق نامہ کا کوئی نہ کوئی نسخہ ضرور موجود تھا جس کی تکمیل کی خواہش سے وہ گم شدہ صفحات کی نقل طلب کر رہا تھا، اور رقعہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے، کہ والیِ خاندیس کے پاس بھی تغلق نامہ کا نسخہ موجود تھا، (اور جس کا فیضی کو علم تھا اسلیے فیضی نے یقینی طور پر یہ درخواست کی) ورنہ اس استدعا میں اس شرط کا ضرور بیان ہوتا، کہ اگر والیِ خاندیس کے کتبخانہ میں یہ نسخہ ہو، تو اُسے مطلوبہ صفحات کی نقل ارسال کیجائے، مضمون نگار کا یہ گمان کہ

"فیضی نے دوران قیام احمد نگر میں راجہ کے کتب خانہ کو دیکھا ہوگا، اُس کی وسعت اور مالک کی علمی و ادبی درازدستیوں کا ذہن میں اندازہ ہوگا، تغلق نامہ کے وہاں موجود ہونے کی امید پیدا ہوئی ہوگی[2]"،

[1] دیباچہ مثنوی تغلق نامہ، صفحہ ۵، [2] شاہکار جلد ا نمبر ا، جلد ۳۳

کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا، رہا آپ کا یہ اعتراض کہ فیضی کے رقعہ سے یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا، کہ شاہی کتب خانہ میں تغلق نامہ کا کوئی نسخہ موجود تھا اور اُس نے اُسے مکمل کرنے کی غرض سے یہ رقعہ اکبر کے حکم سے لکھا تھا، تو یہ صحیح سمجھا جاسکتا ہے، بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ فیضی کے پاس تغلق نامہ کا کوئی نسخہ ضرور موجود تھا، اور اس نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا

فرشتہ اور تغلق نامہ | محمد قاسم فرشتہ استرآبادی لکھتا ہے:-

"امیر[1] خسرو کہ در عہد بادشاہ علاؤالدین ہزار تنکہ می یافت در زمان بادشاہ غیاث الدین از مر معاش بے فراغت داشت و تغلق نامہ کہ نسخہ آں کمیاب است بنام نامی او نوشتہ"،

پھر ایک دوسری جگہ پر لکھتا ہے:-

"امیر[2] خسرو می فرماید ابیات:-

نشاید بادشہ را مست بودن   نہ در عشق و ہوس پیوست بودن

بود شہ پاسبان خلق پیوست   خطا باشد کہ باشد پاسباں مست

شباں چوں شد خراب از بادۂ ناب   رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب

در آئینے کہ رسم ملک داری است   ثبات کار ہا در ہوشیاری است

مولوی رشید احمد مرحوم نے ان اشعار کو "تغلق نامہ" کے وجود کے متعلق خارجی شہادت[3] کے طور پر استعمال کیا ہے، کیونکہ یہ شعر تغلق نامہ کے دستیاب شدہ نسخہ میں موجود[4] ہیں، سید ہاشمی صاحب نے ان کی تائید فرماتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے، کہ چونکہ تاریخ فرشتہ (کم ازکم اس کے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی تھی، اس لئے وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے تھے، حیاتی کاشی کا لکھا ہوا کلام نہیں ہوسکتا، کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا، وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے،

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول مقالہ دوم صفحہ ۱۳۲ [2] تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور جلد اول صفحہ ۱۰۶ ، [3] مطبوعہ مثنوی تغلق نامہ ص ۹،
[4] ملاحظہ ہو مطبوعہ مثنوی تغلق نامہ شعر ۲۷۹ تا ۲۸۲ ص ۱۷ متن مثنوی ،

سید مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں،

"اگر[1] یہ شعر خسرو ہی کے ہیں، تو یہ بھی بالکل ممکن ہے کہ ان کی کسی اور تصنیف کے ہوں، جو ہماری یاد اور نظر سے دور ہے، جن کو مورخ نے اس وقت زبان زد عام پایا ہو یا اپنے حافظے سے لکھ دیا ہو"

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب آپ کو فرشتہ کی سند سے یہ تسلیم ہے، کہ یہ شعر خسرو دہلوی ہی کے ہیں، اور جب آپ کو یہ شعر تغلق نامہ میں بھی دکھائے جاتے ہیں، تو پھر آپ کس طرز استدلال سے یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ یہ شعر خسرو کی کسی اور تصنیف کے ہونگے، حالانکہ دونوں شہادتیں اس امر کو کافی طور پر واضح کرتی ہیں، کہ یہ شعر تغلق نامہ کا ہی ایک حصہ ہیں، پھر سید صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"معلوم[2] نہیں کہ موصوف (سید ہاشمی) کی تحریر کس تحقیق پر مبنی ہے، اور سال مذکور (۱۰۱۵ھ) کا پتہ کہاں سے چلا ہے، ۱۰۱۵ھ عیسوی میں ۱۶۰۶ء کے مطابق ہوتا ہے، اس وقت تک جہانگیر کی تخت نشینی کو ایک برس گذرا ہوگا، اسلئے یہ تحریر اس حد تک تو صحیح مانی جاسکتی ہے، کہ وہ جہانگیر کے عہد کی بالکل ابتدا تھی، رہی تاریخ، وہ ۱۰۱۵ھ میں نہیں، بلکہ ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) میں ابراہیم عادلشاہ ثانی کی فرمایش سے بیجاپور میں مرتب ہوئی تھی، نامور مستشرق موہل (M.J.MOHL) کا خیال ہے کہ فرشتہ نے اپنی کتاب کی تکمیل و نظر ثانی کم ازکم ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۳ء) تک جاری رکھی تھی، اس تاریخ کے پہلے دونوں مقالوں کا، جن میں سلاطین دہلی کا اکبر کے عہد کے اختتام تک کا بیان ہے، کرنیل ڈاؤ (COLONELDOW) کا ترجمہ انگریزی (مطبوعہ ۱۷۶۸ء) موجود ہے، جنرل برگس (GENERAL BRIGGS) نے بھی پوری کتاب کا چار جلدوں میں ۱۸۲۹ء میں ترجمہ کیا تھا، تعجب ہے کہ سید صاحب نے ان کی تمہیدات و تحقیقات کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی، جو کچھ ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا، کہ یہ تاریخ جہانگیر کے انکشاف و مطالعہ تغلق نامہ سے چار سال پہلے تالیف ہوچکی تھی، بنا بریں

[1] شاہکار جلد ۱، نمبر ۱، صفحہ ۳۴ [2] ایضاً ۔

یہ چاروں نقل کردہ اشعار حیاتی کا لکھا ہوا کلام نہیں ہو سکتے،

سید صاحب ! یہ تاریخ اس واقعہ سے تو چودہ سال، ورنہ کم از کم چار برس بعد مکمل ہوئی ہے،

سید ہاشمی صاحب کو گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی تاریخ تالیف کا پتہ کہاں سے چلا ہے، اسے بھی فرشتہ کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمائیے،

"پس در جمع آوردن کتب ہند ساعی گشتم واز اطراف واکناف ممالک بسیاری از نسخ بدست آوردم و چوں ازاں میاں نسخہ کہ جامع حالات تمامی پادشاہان ہندوستان باشد بنظر ایں ذرۂ حقیر در نیامد مگر تاریخ نظام الدین احمد بخشی وآنہم از تحقیقات ومعلومات بسیار کہ علم فقیر بداں احاطہ داشت خالی وتہی بود ہر آئینہ ذوقِ تالیف وشوقِ تصنیف بیش از بیش شدہ در مطالعہ کتب متقدمین باقصی الغایۃ کوشیدہ وخلاصۂ آں کنوز را کہ مانند لآلی منثورہ متفرق بود بترتیب خاص دریک سلک کشیدہ برسم یادگاری دریں اسرار کہ موسوم بہ گلشن ابراہیمیت درج نمودہ دیباچۂ آں مجموعہ را کہ از اقلیم تحقیق آمدہ بود و طیلسان تصدیق بردوش گرفتہ در سنہ خمس وعشر والف بنام نامی پادشاہ عدالت پناہ معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہی فروغ خاندان جہان پناہی انتخاب دیوان قضا وقدر مقدمۂ جنود فتح وظفر موشح ومزین ساختہ تحفۂ مجلس ہمایوں گرداند[1]"

یہی نہیں، بلکہ فرشتہ کتاب کے آخری سے پہلے مقالہ میں لکھتا ہے:-

"تا زمانِ تحریر ایں کتاب کہ سنہ خمس وعشر والف است ملیباریاں از کشتہ شدن شاہ بیاری ترسندہ[2] . . . . ؛"

یہ فرشتہ کے اپنے بیانات گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف کے متعلق ہیں، جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اس کے ابتدائی مقالے) ضرور ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہو چکی تھی، باقی رہا مولف کا یہ خیال

[1] تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور (۱۸۶۵ء) جلد اول صفحہ ۴، [2] ایضاً جلد دوم صفحہ ۳۶۹،

کہ فرشتہ نے ۱۰۳۱ھ تک کتاب کی تکمیل ونظر ثانی جاری رکھی تھی، تو یہ فقط خیال ہی خیال ہے، حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں، کیونکہ مولف نے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ بیان نہیں کی، اور ڈاؤ (DOW) اور برگز (BRIGGS) کا ترجمہ تو اتنا ناقص ہے، کہ اس سے بہتر کوئی انگریزی خواں مبتدی فارسی داں بھی کر سکتا تھا برگز کی علمیت اسی ایک واقعہ سے ظاہر ہو جائے گی، کہ اس نے سلطان محمود کی موت کا باعث (STONE) (پتھری) قرار دیا ہے[1]، اور اس نے یہ ترجمہ فرشتہ کے بتائے ہوئے مرض "سوء القینۃ"[2] کا کیا ہے، حالانکہ "سوء القینۃ" کا صحیح ترجمہ HECTIC FEVER (تپ استخوانی) ہے، اور اس فاضل مستشرق کی تحقیق کا یہ عالم ہے، کہ گلشن ابراہیمی کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۰ھ لکھی ہے، اور اپنے ہی ایڈٹ کئے ہوئے نسخہ میں اسے ۱۰۱۵ھ لکھا ہے[3]، اب دیکھیے کہ ایک دوسرا مستشرق ریو (RIEU) تاریخ فرشتہ کے مخطوطات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا لکھتا ہے

"وہ (فرشتہ) اپنے مقدمہ میں لکھتا ہے، کہ وہ ۹۹۸ھ میں احمد نگر سے دربار بیجاپور میں واپس ہوا، جہاں سے اُسے بعد میں ابراہیم عادل شاہ (عہد حکومت ۹۹۸ھ تا ۱۰۳۵ھ) نے یہ تاریخ مرتب کرنے کے لئے بلا بھیجا، اور یہ تاریخ اس نے بادشاہ کے حضور میں ۱۰۱۵ھ میں پیش کی"[4]

لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی تاریخ تالیف ۱۰۱۵ھ ہی ہے تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے، کہ حیاتی کاشی کے ۱۰۱۹ھ میں لکھے ہوئے شعر فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں اپنی تاریخ میں نقل نہیں کر سکتا بلکہ یہ شعر خسرو دہلوی کے ہی ہیں، اور چونکہ اب یہ شعر دستیاب شدہ تغلق نامہ میں موجود ہیں، اسلئے یہ تغلق نامہ بھی امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے،

آزاد بلگرامی اور حیاتی کاشی کا جہانگیر نامہ

آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ میں حیاتی کاشی کے سوانح حیات درج فرماتے

[1] تاریخ فرشتہ کا برگز کا ترجمہ جلد اول صفحہ ۸۳، [2] تاریخ فرشتہ بمبئی، ایڈیشن از برگز جلد اول صفحہ ۶۰،

[3] تاریخ فرشتہ کا ترجمہ از برگز صفحہ (xlviii)

[4] برطانوی عجائب خانہ کی فہرست مخطوطات فارسی از ریو صفحہ ۲۲۵،

ہوئے لکھا ہے:-

در سنہ تسع و عشر و الف مثنوی امیر خسرو مسمی بہ تغلق نامہ پسند خاطر بادشاہ افتاد، یک مبحث آں کتاب مفقود بود، شعرائے ملازم رکاب بہ نظم آں مبحث مامور شدند، ہر کدام سرمایۂ فکر خود تحفۂ محل بادشاہی ساخت، ازاں جملہ نظم حیاتی نہایت مقبول افتاد، حکم شد تا بجلدوے آں حیاتی را بزر سرخ و سفید سنجیدند، شش خریطہ در پلہ افتاد ہر یک خریطہ مشتمل بر ہزار اشرفی و روپیہ، و سعید اے گیلانی در تاریخ ایں واقعہ گوید!

چوں حیاتی را بزر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہِ عدل گستر شاہِ گردوں اقتدار
شاہ نور الدین جہانگیر ابنِ اکبر بادشاہ	آفتابِ ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہرِ تاریخش بروے کفۂ میزان چرخ	شاعرِ سنجیدۂ شاہی رقم زد در دزگار
	۱۰۱۹ھ

سید مقبول احمد صاحب نے آزاد کے تذکرۂ ید بیضا سے مندرجۂ ذیل عبارت نقل کی ہے،

و حیاتی کاشی در ابتدا سقائی می کرد بنا بریں ہمیں تخلص داشت، آخر بہ ہند آمدہ در دکن بسر می برد جہانگیر بادشاہ اورا یاد فرمودہ، حسب الامتثال بہ درگاہ رسیدہ بہ مزید عنایت مخصوص گردیدہ در سنہ تسع و عشر و الف مثنوی امیر خسرو مسمّٰی بہ تغلق نامہ پسند خاطر شاہی افتاد، یک مبحث آں کتاب مفقود بود، شعرائے ملازم رکاب بہ نظم آں مامور گشتند، و حسب الامر لآلی آبدار از عمانِ افکار برآوردہ از نظر انور گردانیدند، ازاں جملہ مثنوی حیاتی بہ غایت مقبول شاہی افتاد و در صلۂ آں مشار الیہ را بزر سرخ و سفید سنجیدند، شش خریطہ در پلہ افتاد کہ ہر یک خریطہ مشتمل بر ہزار اشرفی و روپیہ بودہ

پھر ان دونوں عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کہ حیاتی کاشی نے مکمل تغلق نامہ جہانگیر کی فرمائش سے نظم کیا تھا، اور اس کا نام جہانگیر نامۂ حیاتی ہی ہے، یہ نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے، کہ اگر حیاتی کاشی

۱؎ خزانۂ عامرہ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۹۱، ۲؎ شاہکار جلد ۱، نمبر ۴، صفحہ ۳۰،

امیر خسرو کے تغلق نامہ کو مکمل کرتا، تو یہ لازم تھا، کہ آزاد بلگرامی، تذکرۂ ید بیضا میں مثنوی حیاتی نہ لکھتے، بلکہ پیوند حیاتی" لکھتے، لیکن فاضل نقاد نے اس استدلال کے دوران میں خزانۂ عامرہ کی عبارت کو بالکل نظر انداز کر دیا، جہاں واضح طور پر یہ درج ہے کہ "شعرائے ملازم رکاب بہ نظم آں مبحث مامور شدند" ید بیضا میں بھی عبارت تقریباً وہی ہے، صرف اس فقرہ میں سے "مبحث" کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے، اسی لئے "مثنوی حیاتی" یا "نظم حیاتی" سے مراد صرف یہی مفقود مبحث ہے، جو حیاتی نے نظم کیا تھا، اس سے مثنوی جہانگیر نامہ مطلب لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا، حیاتی نے صرف تغلق نامہ کے ابتدائی اور آخری شعر نظم کئے تھے، جنمیں سے ابتدائی شعر دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئے، اور خاتمہ بارِ دیگر ناپید ہو گیا،

پھر حیاتی کاشی کی سنہ ۱۰۱۹ھ میں لکھی ہوئی نظم کے اشعار اس سے پہلے کی لکھی ہوئی تاریخ فرشتہ (مؤلفہ سنہ ۱۰۱۵ھ) اور فرہنگ جہانگیری[۱] (مؤلفہ سنہ ۱۰۱۷ھ) میں کیسے آ گئے، فرشتہ اور عضد الدولہ انجو مؤلف فرہنگ جہانگیری واضح طور پر تغلق نامہ کے اشعار کو امیر خسرو کے نام سے نقل کرتے ہیں،

سید مقبول احمد صاحب کو مطبوعہ تغلق نامہ کی زبان پر یہ اعتراض ہے، کہ اس میں نہ امیر کی تحریر کی خصوصیات اور برجستگیاں پائی جاتی ہیں،[۲] "نہ صنائع و بدائع اور استعارات کی وہ فراوانی پائی جاتی ہے، یہ ایک نو وارد ایرانی کی سیدھی سادھی زبان ہے، جس نے خسرو کی چاک دامانی کی رفوگری نہیں کی ہے، نہ ان کے خرقۂ پارینہ میں بدنما جوڑ لگائے ہیں، بلکہ جہانگیر کی خاطر سے اپنے شیریں و پرکیف لہجے میں قطب الدین مبارک شاہ کے سوانح سنائے

۱؎ فرہنگ جہانگیری کی تالیف اکبر کے عہد سنہ ۱۰۰۵ھ میں شروع ہوئی، اور سنہ ۱۰۱۷ھ میں تکمیل کو پہنچی، چنانچہ ۔ زہے فرہنگ نور الدین جہانگیر، سال تکمیل کی تاریخ ہے، تاریخ فرشتہ کے شعر نقل کئے جا چکے ہیں، فرہنگ جہانگیری کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں جو مطبوعہ تغلق نامہ میں موجود ہیں، ۔ چو زخم از تیر بے تدبیر چرخ است ✣ نہ کمتر تیر چرخ از تیر چرخ است، (فرہنگ جہانگیری صفحہ ۳۲۸، تغلق نامہ شعر ۶۱۲) ۔ ولایت دارم و گنج و خزانہ ✣ سپاہے تیز چوں باد بزانہ، (فرہنگ جہانگیری صفحہ ۲۰۴، تغلق نامہ شعر ۱۱۷۶) ۲؎ شاہکار جلد اول، نمبر ۳، صفحہ ۴۴،

خاندانِ علائی کے قتل کی درد انگیز سرگذشت، غدار و محسن کش خسرو خاں کی بیرحمی و ستمگاری، غازی خاں تغلق کی انتقام گیری اور فتوحات کو نظم کردیا ہے، وہ نووارد ولایتی بقول صاحب طبقات شاہجہانی "از مادہ علمی عاری بود، سادہ بیانی اور شیریں بیانی کے سوا تکلفات شاعرانہ اور نازک خیالیاں کہاں سے لاتا؛

مولوی رشید احمد مرحوم اور سید ہاشمی فرید آبادی نے خود بھی اس کا اقرار کیا ہے، کہ امیر خسرو کی اس نظم اور دیگر منظومات میں بدیہی فرق ہے، نازک خیالیوں اور صنائع و بدائع کی کمی پائی جاتی ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "نووارد ولایتی (حیاتی کاشی) چونکہ مادہ علمی سے عاری تھا، وہ اس سے بہتر کچھ لکھ ہی نہ سکتا تھا، اور اسلئے یہ اسی کی تصنیف ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں، فاضل نقاد کو مثنوی کی زبان کی بحث کے سلسلہ میں مولوی رشید احمد کے دلائل پر بھی غور کرنا تھا، مرحوم نے سرسری جستجو سے تغلق نامہ میں وہ الفاظ بھی تلاش کئے تھے جو حضرت امیر خسرو کی متعدد تصانیف میں ملتے ہیں، اور جو خسرو کے زمانے میں ہی رائج تھے، مثلاً

بساخ بجائے گستاخ اور بساخی بجائے گستاخی، شگال بجائے شغال، آگوش بجائے آغوش،

بیرانہ بجائے ویرانہ، نشیں بجائے نشیں اور شیند بجائے نشیند اور شانند بجائے نشانند، اسواں حتی، کاربان،[1]

آپ ہی کہئے، کہ نووارد ولایتی کے زمانے میں یہ الفاظ کہاں رائج تھے، اور اگر رائج نہ تھے، تو پھر نووارد نے اتنی جلدی یہ الفاظ کہاں سے سیکھ لئے، جو انہیں تغلق نامہ میں درج کیا ہے، ظاہر ہے، کہ یہ الفاظ نہ حیاتی کاشی نے لکھے تھے، اور نہ مطبوعہ تغلق نامہ اس کی تصنیف ہے،

تغلق نامہ کی تاریخی حیثیت مبارک شاہ کے قتل کی تاریخ

سید ہاشمی صاحب نے تغلق نامہ کی تاریخی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اس مثنوی سے بہت سے تاریخی واقعات کی تفاصیل بہم پہنچی ہیں، اور کئی ایک مورخین کے غلط بیانات کی تصحیح ہوتی ہے، اس سلسلہ میں آپ نے قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کی تاریخ جمادی الثانی

[1] مقدمہ ناتمام تغلق نامہ صفحہ ۵۰۹،

۷۲۰ھ کی چاندرات ذیل کے اشعار سے منتج کی ہے،

چو تاریخ عرب شد ہفصد و بیت[1] ثبات قطب شد کم جانب زیست

جماد دومیں را شد پدیدار ہلال تیرہ و تاریک دیدار

شد آں مہ برہمہ گیہاں مبارک مگر بر طالعِ سلطاں مبارک

اور پھر غازی ملک تغلق کی تخت نشینی کی تاریخ پہلی شعبان ۷۲۰ھ ذیل کے شعر سے اخذ کی ہے،

چو صبحِ غرۂ شعبان فرخ[2] نمود از تخت گاہ آسماں رخ

سید مقبول احمد صاحب اس پر معترض ہیں، کہ قطب الدین مبارک شاہ کا قتل ۷۲۰ھ میں نہیں ہوا، اور نہ ہی غازی ملک تغلق ۷۲۰ھ میں تخت نشین ہوا، بلکہ خسرو خاں[3] (وزیر مبارک شاہ) نے مبارک شاہ کو ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ مطابق ۴ اپریل ۱۳۲۱ء کو قتل کیا تھا، اور پانچ ماہ بعد خود بھی غازی ملک تغلق کے ہاتھ سے مارا گیا، اسی سلسلہ میں آپ نے سب سے بڑی سند بیگانہ تاریخ داں بیل (BEALE) کی پیش کی ہے، جو آپ کی بتائی ہوئی تاریخ کی تائید اورنٹیل بیاگرفیکل ڈکشنری میں کرتا ہے، اس کے علاوہ آپ نے فرشتہ کا حوالہ دے کر یہ لکھدیا ہے، کہ فرشتہ[4] اور تمام قابلِ استناد متداول تاریخوں میں یہی تحریر ہے، کہ مبارک شاہ کا قضیہ شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱، احدیٰ و عشرین کو ہوا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فرشتہ کے سوا کسی متداول تاریخ میں بھی مبارک شاہ کے قتل کا ۷۲۱ھ درج نہیں، اور غالباً اسی بیگانہ تاریخ داں بیل (BEAL) نے بھی وہیں سے یہ لیا ہے، ورنہ برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں صاف طور پر لکھا ہے،

"چنیں می گوید بندۂ اُمیدوار برحمت پروردگار ضیاء برنی چوں در سنہ عشرین و سبعمایہ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ انار اللہ برہانہ در کوشک سیری بر سریر سلطنت جلوس فرمود[5]"،

[1] دیباچہ تغلق نامہ صفحہ ۱۹، [2] ایضاً [3] شاہکار، جلد ۱، نمبر ۴، صفحہ ۳۱، [4] ایضاً [5] تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ایڈیشن (۱۸۶۲) صفحہ ۴۲۵،

سجان رائے نے خلاصۃ التواریخ میں بھی یہی تاریخ درج کی ہے، ملاحظہ ہو،

"القصہ در ۷۲۰ھ سلطان (غیاث الدین تغلق) بر سریر سلطانی جلوس نمودہ تاج خسروی

بر سر نہادن سکہ و خطبہ بنام خود نمود[1]"

ایک دوسرا، بیگانہ تاریخ داں "لین پول LANEPOOLE" بھی غیاث الدین اور خسرو خاں کی

تخت نشینی ۷۲۰ھ میں قرار دیتا ہے[2]،

اب آپ کی توجہ سکوں کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے،

اگر آپ ہندوستانی عجائب خانہ کے سکوں کی فہرست، حصہ اول مطبوعہ ۱۸۹۴ء، (سلسلہ سلاطین دہلی[3])

کا مطالعہ کریں، تو آپ کو معلوم ہوگا، کہ وہاں قطب الدین مبارک شاہ کا عہد حکومت ۷۱۶ھ سے ۷۲۰ھ قرار

دیا گیا ہے، کیونکہ مبارک شاہ کے سونے، چاندی اور تانبے کے جو سکے دستیاب ہوئے ہیں، وہ ۷۱۶ھ سے

۷۲۰ھ کے عرصہ میں مسکوک ہوئے ہیں،

علی ہذا القیاس سکوں کی فہرست، حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۹۶ء[4] (مسلمانوں کے مختلف سکے) کو دیکھنے

سے معلوم ہوگا، کہ مبارک شاہ کے تمام سکے ۷۱۶ھ اور ۷۱۹ھ کے درمیان بنائے گئے تھے،

اسی طرح عجائب خانہ کلکتہ کی فہرست مسکوکات، جلد دوم[5] مرتبہ ایچ، ان، رائٹ میں مبارک شاہ[6]

کے جن سکوں کی فہرست دی گئی ہے، وہ سب ۷۱۷ھ سے ۷۲۰ھ تک بنائے گئے ہیں، مبارک شاہ کا کوئی

---

[1] خلاصۃ التواریخ مطبوعہ دہلی ۱۹۱۸ء صفحہ ۲۲۶ [2] سید مقبول احمد صاحب نے "پنجاب میں اردو" پر بھی اس سلسلہ میں نقد کیا ہے، کہ اس میں غازی ملک کی تخت نشینی کا سال ۷۲۳ھ ہے، لیکن "پنجاب میں اردو" زبان کی ایک دلچسپ تاریخ ہے، اس سے سلطنت کے سیاسی واقعات میں استناد صحیح نہیں، انھوں نے بھی غازی ملک کی تخت نشینی کی تاریخ تاریخ فیروز شاہی یا گلشن ہند سے نقل کر دی ہوگی، انکا اصل موضوع سیاسی حالات بیان کرنا نہ تھا کہ اسکی تحقیق کی طرف رجوع کرتے، ملاحظہ ہو MOHAMMADAN DYNASTIES صفحات ۲۹۹ و ۳۰۰ [3] صفحات ۵۱ تا ۵۷ [4] صفحات ۶۷ تا ۷۰ [5] صفحات ۳۴ تا ۴۶

سکہ ۷۲۱ھ میں نہیں بنایا گیا، جس سے صاف ظاہر ہے، کہ مبارک شاہ کا عہد ۷۲۱ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا،

اس میں اگر کوئی شبہ ہو، تو ناصر الدین خسرو خاں کے سکوں کو ملاحظہ کیجئے، اس غدار وزیر کے بہت

محدود سکے دستیاب ہوئے ہیں جس کی وجہ ظاہر ہے، کہ اس کا عہد حکومت نہایت قلیل تھا، ملاحظہ ہو عجائب خانہ کلکتہ

کی فہرست سکوکات، جلد دوم، مرتبہ ایچ، ان، رائٹ صفحہ ۴۸) ایک سکہ جو دہلی کی ٹکسال میں بنایا گیا تھا، جس کے

دونوں پہلوؤں کی عبارت یہ ہے،

السلطان الاعظم	خسرو شاہ السلطان
ناصر الدنیا والدین	الواثق بنصر الرحمان
ابوالمظفر	ولی امیر المومنین

حاشیہ میں درج ہے،

ضرب ھذا السکۃ بحضرۃ دھلی فی سنۃ عشرین وسبعمایۃ،

پس اگر خسرو خاں قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرکے تخت دہلی پر متمکن نہیں ہو گیا تھا، تو ۷۲۰ھ

میں وہ اپنے بادشاہ کی موجودگی میں اپنے نام کا سکہ کس طرح چلا سکتا تھا، ظاہر ہے، کہ ۷۲۰ھ میں خسرو

خاں تخت پر بیٹھ گیا تھا، اور قطب الدین قتل ہو چکا تھا،

آگے چلئے، ہندوستانی عجائب خانہ کے سکوں کی فہرست، حصہ اول میں صفحہ ۴۵ سے ۵۶ تک غیاث الدین

غازی ملک تغلق کے سکوں کی جو فہرست نظر آتی ہے، ان میں صفحہ ۵۶ پر ایک سکہ نمبر (۲۹۰۲) ۷۲۰ھ کا موجود ہے

علی ہذا سکوں کی فہرست، حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۹۶ء، (مسلمانوں کے مختلف سکے) میں صفحہ ۸۹ پر ۱۳

سکوں (نمبر ۴۸) کا ذکر ملتا ہے، جن کے دونوں پہلوؤں پر ذیل کی عبارت درج ہے،

السلطان الغازی غیاث الدنیا والدین	ابوالمظفر تغلق شاہ السلطان ۷۲۰

اسی طرح عجائب خانہ کلکتہ کی فہرست مسکوکات، جلد دوم میں صفحہ ۴۸ پر نمبر ب ۲۶۲ اور نمبر ب ۲۶۳ کے دو سکوں کا ذکر درج ہے، جن کے دونوں طرف ذیل کی عبارت درج ہے،

السلطان الغازی	ابو المظفر
غیاث الدنیا	تغلق شاہ
والدین	السلطان ۷۲۰

ان سکوں کو دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ غیاث الدین غازی ملک ۷۲۰ھ میں تخت نشین ہو چکا تھا، اور قطب الدین مبارک شاہ اس وقت تک قتل ہو چکا تھا، ورنہ قطب الدین مبارک شاہ کے ۷۲۱ھ کے بھی سکے ملتے، اور خسرو خاں اور غیاث الدین غازی ملک کا کوئی سکہ ۷۲۰ھ میں دستیاب ہوتا،

مولانا حمید الدین صاحب مرحوم کی تفسیر کا ایک نیا جزء چھپ گیا،

تفسیر سورہ فیل (عربی)

مولانا مرحوم نظام القرآن کے نام سے عربی میں جو تفسیر لکھ رہے تھے اور جس کے بعض اجزا ان کی زندگی میں چھپ گئے تھے اب اس کا ایک نیا حصہ تفسیر سورۂ فیل چھپ کر شایع ہوا ہے، جو لوگ اس سلسلۂ تفسیر کی اہمیت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس اہم بالشان سورہ کی تفسیر میں مصنف مرحوم نے کیا کیا حقائق بیان کئے ہونگے،

قیمت:- ۸؍ لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ:- دار المصنفین اعظم گڈھ،

چینی مسلمان

چین سے مسلمانوں کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کروڑوں مسلمان وہاں آباد ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں کہ مسلمانان ہند اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہوں، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت صرف عمر، منیجر

امام ذہبیؒ

ازمولوی محمد یوسف صاحب کوکن نایطی، رفیق دار المصنفین

نام ونسب و وطن، محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، شمس الدین لقب، ذہبی عرف، سلسلۂ نسب یہ ہے، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز بن عبد اللہ ترکمانی، ذہبی، یہ نسلاً ترکمانی تھے، ان کے آبا و اجداد کسی زمانہ میں دیار بکر کے شہر میا فارقین میں آئے اور وہاں سے دمشق آکر آباد ہو گئے تھے، اور سوناری کا پیشہ کرتے تھے، اسلئے ذہبی کی نسبت سے شہرت پائی،

ولادت اور تعلیم و تربیت، ۳ ربیع الآخر ۶۷۳ھ کو شہر دمشق میں پیدا ہوئے، اس وقت شام کی زمین علوم و فنون کے روشن ستاروں سے آسمان علم بنی ہوئی تھی، چنانچہ یہ صدی ان باکمالوں کی کثرت کے سبب سے تاریخ میں خاص شہرت رکھتی ہے، دمشق، بعلبک، عکہ، حلب، مصر، اسکندریہ، نابلس سینکڑوں طالب العلموں کا مرجع بنے ہوئے تھے، وہاں کے اساتذہ اور ماہرین علوم و فنون کی شہرت کو سن کر تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ علم کی تحصیل کے لئے جوق در جوق ان کی طرف چلے آرہے تھے، ذہبی نے جب آنکھیں کھولیں تو انکے آوازۂ کمال کو سنا، ان کی ابتدائی تعلیم کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، قیاس چاہتا ہے، کہ ابتدائی تعلیم دمشق ہی کے کسی مکتب میں حاصل کی ہوگی، اٹھارہ برس کی عمر میں حدیث شروع کی، اور ابو حفص عمر بن القواس ابو الفضل احمد بن ہبۃ اللہ بن عساکر، یوسف بن احمد الغسولی وغیرہ سے جو اس وقت دمشق کے ماہرین فن حدیث تھے، حدیث پڑھنی شروع کی، المعجم المختص (للذہبی قلمی) میں ہے کہ ۶۹۵ھ میں ذہبی نے علامہ ابن تیمیہ سے ملاقات کی، اور ان سے تبرکاً ایک دو حدیثیں سنیں، وہاں کی تکمیل کے باوجود

۱؎ امام ذہبی کے حالات، طبقات الشافعیہ السبکی، درر کامنہ لابن حجر، بدر طالع للشوکانی شذرات الذہب ذیل طبقات الحفاظ وغیرہ سے ماخوذ ہیں،

علم کی پیاس بجھ نہ سکی، اس لئے وہاں سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچے، اور ہر ملک کے علماء سے ملاقات کی، بعلبک میں عبد الخالق بن علوان، زینب بنت عمر بن کندی مصر میں احمد بن اسحٰق ابرقوہی، عیسیٰ بن عبد المنعم بن شہاب شیخ الاسلام ابن دقیق العید، حافظ ابو محمد دمیاطی، حافظ ابو العباس ظاہری اسکندریہ میں ابو الحسن علی بن احمد العراقی، ابو الحسن یحییٰ ابن احمد بن الصواف مکہ میں توزری حلب میں سنقر زینی، نابلس میں عماد بن بدران غرض ہر ملک کے مشہور اساتذہ فن سے حدیث کو حاصل کیا، چنانچہ انکے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے،

بیان کیا جاتا ہے[1]، کہ جب علامہ ذہبی پہلے پہل شیخ الاسلام ابن دقیق العید کی درس گاہ میں پہنچے، تو ان کا قاعدہ تھا، کہ کسی طالب العلم کو بغیر امتحان کے اپنی درس گاہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ وہاں جاتے ہی شیخ الاسلام نے علامۂ موصوف سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو، جواب دیا شام سے، پھر فرمایا، تم کس نام سے مشہور ہو، کہا ذہبی کے نام سے، شیخ نے دریافت کیا، ابو طاہر ذہبی کون شخص ہیں کہا مخلص، پھر سوال کیا، ابو محمد الہلال کون ہیں،؟ جواب ملا، سفیان بن عیینہ، شیخ الاسلام نے جب دیکھا کہ وہ اسماء رجال سے اچھی طرح واقف ہیں، تو ان کی تعریف کی، اور ان کو اپنے شاگردوں میں داخل کرلیا،

مذہب، امام ذہبی خاندانی طور سے شافعی المذہب تھے، مگر خود ذاتی تحقیق، اور میلان طبع کی بنا پر حنبلیت کی طرف مائل تھے، اور عقائد میں بھی اشعریت کے بجائے جو شوافع کا عام مذہب ہے، وہ امام حنبل کے پیرو تھے، اور عموماً وہ محدثین کے مسلک پر تھے، جیسا کہ انکی تصنیفات سے ہر شخص پر ظاہر ہے،

دمشق کی واپسی اور درس وتدریس کا مشغلہ، علامہ ذہبی مشہور علماء کی صحبت سے فیضیاب ہوکر جب دمشق لوٹے، تو وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے محدث اور مورخ بن چکے تھے، خصوصاً فن رجال میں ان کے پایہ کا کوئی دوسرا نہ تھا، حافظ سبکی جو امام ذہبی کے خاص شاگردوں میں تھے، طبقات الشافعیہ[2] میں لکھتے ہیں، کہ اس زمانہ میں حدیث کے حافظ چار تھے، مزی، برزالی، ذہبی، اور میرے والد، لیکن ان سب میں ذہبی کا درجہ بڑھا ہوا تھا، ان کا کوئی

[1] طبقات الشافعیہ جلد پنجم ص ۲۱۶، [2] ایضاً،

نظیر نہیں تھا، جرح وتعدیل، اور فن رجال کے اگر شیخ تھے، تو وہی تھے، حفظ کے معاملہ میں اگر کوئی مشکل پیش آجاتی تو اس کا حل صرف انہی سے ہوسکتا تھا،"

اس وقت سیف الدین تنکز المتوفی ۷۴۱ھ شام کا گورنر تھا، جب ۷۱۸ھ میں علامہ شریشی کا انتقال ہوا، جو دار الحدیث الاشرفیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر مامور تھے، تو سیف الدین نے علامہ مزی المتوفی ۷۴۲ھ کو دار الحدیث الاشرفیہ میں اور علامہ ذہبی کو مدرسہ ام صالح میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر مقرر کیا، ایک عرصہ کے بعد اس نے علامہ ذہبی کو دار الحدیث الظاہریہ، پھر نفیسیہ پھر دار الحدیث التنکیزیہ میں جو خود اسکا قائم کردہ تھا، شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز کیا، یہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام بجا لاتے رہے، یہاں تک کہ ۷۴۱ھ میں آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے بصارت جاتی رہی،

تذکروں میں لکھا ہے کہ جب کبھی علامہ ذہبی سے یہ کہا جاتا، کہ آنکھوں کا علاج کر لیتے تو درست ہوجاتیں، تو آپ خفا ہوتے، اور فرماتے، کہ میری آنکھوں میں پانی نہیں اتر آیا، بلکہ میں خود دیکھتا تھا، کہ روز بروز میری بصارت کم ہوتی جارہی ہے، یہاں تک کہ وہ حالت ہوگئی، جو اب تم دیکھ رہے ہو،

شہرت علم وفضل، تھوڑے ہی زمانہ میں علامہ ذہبی کے علم وفضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، ان کے آوازۂ کمال کو سن کر ہر جگہ سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد امنڈ آئی، اور ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر بے شمار لوگوں نے فضیلت کا رتبہ پایا،

وفات علامہ ذہبی نے دوشنبہ کی رات میں نماز عشاء کے بعد ۳- ذو القعدہ ۷۴۸ھ کو مدرسہ ام صالح میں وفات پائی، دوسرے دن جنازہ کی نماز پڑھی گئی، اور باب صغیر کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، سبکی کا بیان ہے، کہ وفات کے دن مغرب سے کچھ پہلے ان کے والد نے علامہ ذہبی سے ملاقات کی اور حالت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ان سے پوچھا، کہ عصر کی نماز پڑھی ہے یا نہیں، علامہ نے جواب دیا کہ عصر کی نماز تو پڑھ چکا اب چاہتا ہوں کہ مغرب اور عشاء کی نماز بھی پڑھ لوں، جب سبکی کے والد نے جمع بین الصلواتین

کا فتویٰ دیا، تو آپنے دونوں نمازیں بیک وقت ادا کین،

اخلاق وعادات، علامۂ موصوف نہایت تیز فہم اور ذہین تھے، اس علم وفضل اور شہرت کیساتھ بہت منکسر المزاج اور متواضع تھے، اکثر دیکھا جاتا ہے، کہ مصنفین مشاہیر کا تذکرہ لکھنے بیٹھتے ہیں تو ہم عصر علماء کو یا تو بالکل چھوڑ دیتے ہین، یا اگر لکھتے ہیں، تو بھی ان کی تعریف و توصیف میں انصاف کے پہلو کو مدنظر نہیں رکھتے، علامۂ موصوف کی تصنیفات میں یہ بات نہیں نظر آتی، وہ اپنے ہمعصر علماء کا تذکرہ لکھتے ہیں، اور ان میں جو تعریف و مدح کے لائق ہین، اون کی تعریف و مدح بھی کرتے ہیں، یہ اون کے انکسار و انصاف پر بین دلیل ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ کی جو ان کے ہمعصرون سے تھے، اور جن سے ان کے اکثر معاصرین برہم رہتے تھے، بہت تعریف کی ہے اور اچھے لفظوں کیساتھ انکو یاد کیا ہے،

علامہ صفدی علامۂ موصوف کی تعریف ان لفظون میں کرتے ہیں "ان (ذہبی) میں محدثین کا جمود نہ تھا، بلکہ وہ اپنے دل و دماغ کے لحاظ سے فقیہ اور لوگوں کے اقوال کے پورے ماہر تھے،"

اولاد، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ ذہبی کی اولاد بھی تھی، مگر صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی کے نام ملے ہیں، جو حسب ذیل ہیں،

۱- ابوہریرہ عبد الرحمٰن ۷۱۵ھ میں پیدا ہوئے، وزیرہ بنت منجا، قاضی سلیمان، اسمٰعیل بن مکتوم، ابن عبد الدائم، عیسی المطعم، ابن الشیرازی، ابن مشرف، قسم بن عساکر وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی، عمر کا زیادہ حصہ حدیث کی سماعت و روایت میں صرف ہوا، محدثین سے بہت محبت تھی، ایک مدت تک قریہ بطنا میں امامت کا کام انجام دیا، اخیر عمر مین نابینا ہوگئے تھے، ربیع الاول ۷۹۹ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں اسی گاؤں میں وفات پائی،

۲- امۃ العزیز صاحبزادی کا نام تھا، یہ بھی عالمہ تھین، عیسی مطعم وغیرہ کی درسگاہ میں شریک ہوئی تھیں، اور حجار وغیرہ سے حدیثین سُنی تھیں اور ان سے دوسرے لوگون نے بھی روایت کی ہے، ۷۸۵ھ مین انتقال کیا،

تلامذہ علامہ ذہبی کے فیض صحبت سے بہت سے نامور شاگرد پیدا ہوئے، مشہور شاگردون کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

۱- قاضی القضاۃ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن یوسف بن موسیٰ بن تمام السبکی الشافعی ۷۲۷ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، ۷۳۹ھ میں اپنے والد کیساتھ دمشق چلے آئے، اور یہاں کے علماء سے حدیث سُنی، آخر میں ذہبی کے خاص شاگرد ہوگئے، متعدد دفعہ قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہوئے، اور معزول کئے گئے، اکثرون سے اونھون نے مناظرہ کیا ہے، حدیث، ادب وغیرہ کے ماہر تھے، ۷۷۱ھ میں طاعون میں چوالیس (۴۴) سال کی عمر میں وفات پائی، اور قاسیون کی گھاٹی میں مدفون ہوئے،

۲- شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی الحسینی ۷۱۵ھ کو شہر دمشق میں پیدا ہوئے، محمد بن ابی بکر بن عبد الدائم، مزی، ذہبی، برزالی، علائی، وغیرہ سے حدیث حاصل کی، دار الحدیث البہائیہ میں ایک مدت تک شیخ الحدیث کے درجہ پر فائز رہے، ۷۶۵ھ مین انتقال کیا، اور قاسیون کی گھاٹی میں دفن کئے گئے،

۳- قاضی جمال الدین ابو الطیب الحسین بن علی السبکی (علامہ سبکی کے بڑے بھائی) ۷۲۲ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، حجار سے بخاری سنی، اپنے والد اور زملکونی سے فقہ حاصل کی، ابوحیان سے نحو اور اصفہانی سے اصول کا درس لیا، ۷۳۹ھ میں اپنے والد کیساتھ دمشق پہنچے، یہاں مزی اور ذہبی کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر حدیث کی تکمیل کی، اور علم کی تکمیل کے لئے اکثر ممالک کا سفر کیا، دار الحدیث برانیہ اور عذراویہ وغیرہ میں حدیث کی تعلیم دی، ۷۵۵ھ میں وفات پائی اور قاسیون میں دفن کئے گئے،

۴- قاضی شمس الدین، ابو عبد اللہ محمد بن مفلح الصالحی الحنبلی، عیسی المطعم، ابن سلم، برہان الزرعی، حجار وغیرہ، بخاری، مزی، ذہبی وغیرہ سے حدیث سنی، علامہ مزی اور ذہبی ان کی بہت عزت کرتے تھے، انھون نے ان دونون سے کثرت سے روایت کی ہے، ۷۶۳ھ میں انتقال کیا اور شیخ موفق الدین کے مقبرہ کے نزدیک مدفون ہوئے،

۵- صلاح الدین ابو الصفا خلیل بن ایبک الشافعی ۶۹۶ھ میں قریہ صفد میں پیدا ہوئے، قاضی بدر الدین، ابو الفتح، تقی سبکی، مزی، ذہبی وغیرہ سے حدیث پڑھی، ابو حیان سے نحو، اور ابن نباتہ اور شہاب محمود سے ادب کا درس لیا، اور ہر ایک میں کمال حاصل کیا، ایک زمانہ تک مصر و دمشق میں منشی کا کام انجام دیتے رہے، اس کے بعد حلب کے سکریٹری ہوئے، پھر شام کے بیت المال کے افسر مقرر ہوئے، ۷۶۴ھ میں شہر دمشق میں وفات پائی، اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے،

۶- قاضی القضاۃ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن محمد الحجادی الحنبلی، قاہرہ میں ابن الصواف وغیرہ سے حدیث سنی، پھر سترہ سال کی عمر میں دمشق کا سفر کیا، اور ابن عبد الدائم عیسی المطعم، ذہبی وغیرہ سے فن حدیث کی تکمیل کی، ۷۳۸ھ میں قاہرہ کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے، اور قضاۃ کا کام خوبی کیساتھ انجام دیا، اونکے فیض سے کثرت سے حنبلی فقہاء پیدا ہوئے، اور مذہب حنبلی ہر طرف پھیلا، ۷۶۹ھ میں قاہرہ میں انتقال کیا، اور باب النصر کے باہر ایک مقبرہ میں مدفون ہوئے،

تصنیفات | علامہ ذہبی کی تصنیفات کی تعداد کا اندازہ سو تک کیا جاتا ہے، لیکن ان میں سے بہت سی کتابیں ناپید ہو گئی ہیں، اور جو کچھ بچی ہیں، ان میں بہت کم چھپی ہیں، ان کی اکثر کتابوں کا موضوع تاریخ اور فن رجال ہے، انھوں نے دوسرے مصنفین کی بہت سی کتابوں کے خلاصے لکھے تھے، لیکن چند کے سوا سب نایاب ہیں، اونکے خاص شاگرد علامہ سبکی ان کی تصنیفات کے متعلق لکھتے ہیں، کہ گو وہ مذہباً شافعی تھے، لیکن ان کے اعتقادات زیادہ تر حنبلیوں کے تھے، اسی لئے جب کبھی کسی حنبلی کا تذکرہ لکھتے ہیں، تو اسکی تعریف میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، اور جب کبھی کسی شافعی یا حنفی کا ذکر آتا ہے، تو تعریف کئے بغیر گذر جاتے ہیں، اور انصاف کو مد نظر نہیں رکھتے، لیکن یہ الزام صحیح نہیں ہے، چونکہ علامہ سبکی غالی شافعی تھے، اسلئے دیگر مذاہب کے پیرووں کی تعریف انکے دل کو نہیں بھاتی تھی، چنانچہ علامہ شوکانی اپنی کتاب بدر طالع میں، سبکی کے اقوال کو نقل کرکے لکھتے ہیں، کہ علامہ سبکی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بالکل غلط ہے، خود ذہبی کی تصنیفات ان کے خلاف شہادت دیتی ہیں،

غیر معاصر لوگوں کے واقعات کے متعلق علامہ ذہبی پر الزام نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ وہ دوسروں سے واقعات کو بیان کرتے ہیں، رہا معاصرین کا تذکرہ تو اس میں انھوں نے اکثر جگہ انصاف ہی سے کام لیا ہے، چونکہ وہ حافظ الحدیث تھے، حدیث کی محبت ان کے دل میں جاگزین ہو گئی تھی، اور حنبلیوں کے عقائد و خیالات زیادہ تر ظاہر حدیث کے مطابق ہوتے ہیں، اس لئے ان کی تعریف میں کچھ کلمہ کہہ دینا گرفت کے قابل نہیں ہو سکتا، اون کی تصنیفات کی فہرست مع مختصر تبصرہ حسب ذیل ہے،

۱- تاریخ الاسلام الکبیر، علامہ ذہبی کی یہ سب سے ضخیم سب سے اہم، اور سب سے مشہور تصنیف ہے، یہ کتاب اکیس جلدوں میں لکھی ہے، جسمیں ابتدائے اسلام سے لیکر ۷۰۰ھ تک کے واقعات سنہ وار تحریر کئے ہیں، پوری کتاب ستر طبقوں پر منقسم ہے، ہر دس سال کے واقعات و حوادث کو ایک ایک طبقہ شمار کیا ہے، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیاسی واقعات کیساتھ ساتھ ہر صدی کے علماء و فضلاء کے مختصر حالات بھی بیان کئے ہیں، اسلئے یہ تنہا سیاسی نہیں، بلکہ علمی تاریخ بھی ہے،

اس کتاب کے مکمل نسخہ کا اب تک پتہ نہیں چلا، اسلئے متفرق اجزاء حسب ذیل مقامات میں ہیں، آغاز سے ۴۰ سنہ ہجری تک کی جلد جو سیرۃ نبوی اور خلفائے راشدین کے حالات میں ہے، کتب خانہ پیرس میں ہے[1]، سنہ ۱۳۲-۴۰ھ تک کا حصہ کتب خانہ جامع تونس میں ہے[2]، ۱۸۱ھ سے ۲۰۰ھ کا حصہ مصر کے خدیوی کتب خانہ میں ہے، اور اسکی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے[3]، ۳۰۱ھ سے ۴۰۰ھ تک کا حصہ کتبخانہ پیرس میں ہے[4]، ۴۰۱ھ سے ۵۵۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن میں ہے[5]، ۵۰۱ھ سے ۵۲۰ھ تک کا دوسرا ناقص حصہ کتب خانہ مصر میں ہے[6]، ۵۰۱ھ سے ۶۴۰ھ تک کا حصہ کتبخانہ پیرس میں ہے[7]، ۶۸۱ھ سے ۶۹۰ھ تک کا حصہ برٹش میوزیم لندن میں ہے[8]،

اس کا ابتدائی نسخہ جو عہد عباسیہ کے اوائل کا ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں بھی ہے،

---

[1] فہرست کتبخانہ پیرس جلد اول ص ۲۹۰ نمبر ۱۵۸۰، [2] کتبخانہ جامع تونس نمبر ۴۸۸۳، [3] فہرست کتبخانہ خدیویہ جزء خامس ص ۱۲۱، [4] نمبر ۱۵۸۱، [5] ص ۳۰۳، [6] کتبخانہ خدیویہ ص ۲۱، [7] نمبر ۱۵۸۲، [8] نمبر ۴۶۸،

علامۂ موصوف کی وفات کے بعد دوسرون نے ۱۴۱ھ تک اوسکو اور بڑھایا ہے،

۲- تذکرۃ الحفاظ، یہ علم حدیث کے باکمال ماہرین کا تذکرہ ہے، جنکو حسب مراتب اکیس طبقون پر تقسیم کیا ہے، اور ہر ایک طبقہ کے مختصر حالات بغیر ترتیب کے لکھے ہیں، یہ کتاب حضرت ابوبکرؓ کے حالات سے شروع ہوتی ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور حافظ مزی کے حالات پر ختم ہوتی ہے، اخیر مین ۳۶ شیوخ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، جنسے علامہ ذہبی نے فن حدیث ورجال کی تعلیم حاصل کی تھی،

مطبعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن داد کا مستحق ہے، جس نے اس بے نظیر کتاب سے اہل علم کو آشنا کیا، سب سے پہلے تقریباً ۱۳۰۹ھ میں اوس کو شائع کیا، اور اب اوس کا دوسرا اڈیشن نکالا ہے، جو پہلے سے بہتر ہے،

۳- میزان الاعتدال، اس میں مؤلف نے حروف معجم کی ترتیب پر دس ہزار نو سو سات جھوٹے، متہم، اور ضعیف راویون کے مختصر حالات تحریر کئے ہین، دیباچہ میں لکھا ہے کہ انھون نے صرف ان راویون کے حالات لکھے ہیں، جو جھوٹے یا متہم بالکذب، یا وضاع اور ضعیف ہون، اور اس کا التزام کیا ہے کہ صحابہ یا ائمہ کرام یا سچے راویون کا اس میں ذکر نہ آئے، الا یہ کہ کہیں کہیں صرف مزعومہ و منسوبہ تہمت کو زائل کرنے کے لئے سچے راویون کا تذکرہ آگیا ہو،

یہ کتاب سب سے پہلے مطبع تیغ بہادر لکھنؤ میں دو جلدون میں چھپی، پہلی جلد ۱۳۰۱ھ میں اور دوسری ۱۳۰۵ھ میں، پھر ۱۳۲۵ھ میں مطبع سعادت مصر سے تین جلدوں میں شائع ہوئی،

۴- تجرید اسماء الصحابہ ۲ جلد، یہ ابن اثیر کی کتاب اسد الغابہ کا اختصار ہے، مؤلف نے اسد الغابہ کے ناموں کے علاوہ اور بہت سے نامون کا اضافہ بھی کیا ہے،

مشہور ہے کہ اسد الغابہ مین ساڑھے سات ہزار صحابہ کا تذکرہ ہے، اس میں آٹھ ہزار آٹھ سو نو صحابہ کے مختصر حالات ہیں،

۱۳۱۵ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے دو جلدون میں شائع ہوئی،

۵- دُوَل الاسلام، یہ مؤلف کی تاریخ اسلام کا اختصار ہے، اس میں نبی کریم صلعم کے حالات کی تفصیل حذف کر دی ہے، اور صرف سنین اور وفیات کا حصہ لکھا ہے، چنانچہ آپ کی وفات سے لیکر ۷۱۵ھ تک کے سنین اور وفیات اس مین درج کئے ہین، یعنی ہر سنہ کا عنوان قائم کرکے اس سال کے اہم واقعات مختصر ترین عبارت میں لکھدیے ہیں، اسکے بعد سخاوی نے ۷۱۵ھ سے لیکر ۸۹۸ھ تک کے واقعات زیادہ کئے ہیں،

۱۳۳۷ھ میں سخاوی کے ذیل کے ساتھ مطبعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے دو جلدون میں شائع ہوئی،

۶- طبقات الحفاظ ۱ جلد، یہ اکابر محدثین کا تذکرہ ہے، تمام محدثین کو بارہ طبقون میں تقسیم کیا ہے، اور ہر ایک طبقہ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، بعد میں امام سیوطی نے اوس کی تلخیص کی ہے، اوس کا ایک قلمی نسخہ امیر... کے کتب خانہ میں ہے:-

۱۸۳۳ء میں یورپ سے شائع ہوئی،

۷- العبر فی خبر من غبر، ۲ جلد، اسے تاریخ اوسط بھی کہتے ہین، یہ تاریخ الاسلام الکبیر کا اختصار ہے، ۷۴۰ھ تک کے مطول واقعات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے،

اس کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتبخانہ پیرس میں موجود ہے،

۸- سیر النبلاء، تاریخ الاسلام الکبیر مین جتنے مشہور علماء و فضلاء کے تذکرے تھے، ان کو اختصار کے ساتھ یکجا کر دیا ہے،

غالباً نواب صدیق حسن خان نے اسی کو فارسی میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے، شاید اس کا نسخہ ندوہ میں ہو،

۹- کتاب معرفۃ القراء علی الطبقات والاعصار، یہ قاریون کا ایک مختصر تذکرہ ہے، جسمین

تمام قاریوں کو سترہ طبقوں پر تقسیم کرکے ہر طبقہ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں، یہ مولف کی تاریخ الاسلام الکبیر سے ماخوذ ہے، عثمان بن عفانؓ کے حالات سے شروع اور ابن الزیات المتوفی ۷۳۰ھ پر ختم کیا ہے،

اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ بانکی پور میں اور دوسرا پیرس کے کتبخانہ میں ہے،

۱۰- تذہیب التہذیب، حافظ مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے تہذیب الکمال کے نام سے صحاح ستہ کے راویوں کے حالات میں تیرہ جلدوں میں ایک کتاب لکھی، علامہ ذہبی نے پانچ جلدوں میں اس کی تلخیص کی، اور حروف معجم پر اسکی ترتیب رکھی، کتب خانہ خدیویہ[1] میں اسکی چار قلمی جلدیں موجود ہیں، پہلی دوسری، تیسری اور پانچویں، لیکن پانچویں جلد ناقص ہے، اور اسی میں ایک دوسرے نسخہ کی دوسری اور تیسری جلدیں بھی ہیں اس کی اخیر جلد کا ایک قلمی نسخہ جو میم سے شروع ہو کر یا پر ختم ہوتا ہے، کتبخانہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے،[2] ذہبی کی تذہیب کا خلاصہ حافظ صفی الدین خزرجی نے کیا تھا، اور وہ مصر کے مطبع بولاق سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوا ہے،

۱۱- الکاشف، یہ کتاب تذہیب کا اختصار ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ علامہ سبکی کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتبخانہ بانکی پور میں ہے، اور دوسرے دو قلمی نسخے کتبخانہ رام پور و کتبخانہ آصفیہ میں پائے جاتے ہیں، پہلا ۹۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے، اور دوسرا ۸۹۶ھ کا، اسیطرح ایک نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں ہے، نیز اسکا ایک عمدہ نسخہ جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے والد بزرگوار کا ہے، حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈھاکہ کے پاس ہے،

۱۲- المعجم الکبیر، اس میں ایک ہزار تین سو سے زائد اساتذہ فن حدیث کے حالات بیان کئے تھے، یہ کتاب نایاب ہے،

۱۳- المعجم الصغیر، یہ ان اساتذہ کا تذکرہ ہے جن سے علامہ ذہبی نے فن حدیث و رجال وغیرہ کی تکمیل کی،

[1] کتبخانہ خدیو مصر جزاول ص ۲۳۰، [2] برٹش میوزیم لندن نمبر ۶۲، ص ۱۴۱۰،

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ رامپور میں ہے،

۱۴- المعجم المختص، اس میں علامہ ذہبی نے اپنے زمانہ کے محدثین اور اپنے شاگردوں کے حالات تحریر کئے ہیں، اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ میں ہے، اس کے آخر میں ہے، کہ ۷۲۹ھ میں یہ تالیف ہوئی، اور مجالس میں املا کے طور پر پڑھی پڑھائی گئی، موجودہ نسخہ خوشخط ہے، ۱۲۵۶ھ میں شاہجہان آباد میں لکھا گیا ہے،

آخر میں ان لوگوں کی سندیں ثبت ہیں، جنھوں نے اس کو ذہبی سے وقتاً فوقتاً سنا، ان میں سے پہلی قرأت ۷۳۱ھ میں، پھر ۷۳۴ھ میں، ۷۴۱ھ میں، ۷۴۳ھ میں، ۷۴۴ھ میں ہوئی، اور اسکا ایک قلمی نسخہ حسین محمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا، کتبخانہ خدیویہ میں ہے،[1] اور ایک نسخہ ۱۲۹۳ھ کا لکھا ہوا کتبخانہ سعیدیہ حیدرآباد میں ہے،

۱۵- رسالۃ فی معرفۃ فقیہ الامۃ ابی حنیفہ، یہ امام ابوحنیفہ کے حالات میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ سعیدیہ حیدرآباد میں ہے،

۱۶- المشتبہ فی اسماء الرجال، مؤلف نے اس میں ان مشتبہ راویوں کی اختصار کے ساتھ توضیح کی ہے، جن کے اسماء، انساب، کنیت اور القاب میں اختلاف واقع ہوگیا ہے، ۱۸۶۳ء میں مطبع بریل لیڈن سے شائع ہوئی،

۱۷- قرۃ العین فی ضبط رجال الصحیحین، اس میں علامہ ذہبی نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راویوں کے حالات بیان کئے ہیں، چھپ گئی ہے،

۱۸- کتاب العلو ۱ جلد، متکلمین و محدثین میں شروع سے یہ بحث چلی آرہی ہے کہ کیا خدا عرش پر ہے؟ اگر اسکا جواب اثبات میں ہو تو حیز و مکان لازم آتا ہے، جو حادث کا خاصہ ہے، اور اگر اس کا جواب نفی میں دیا جائے

[1] فہرست کتب خانہ خدیو جزء اول ص ۲۴۲،

تو پھر ان آیتوں اور حدیثوں کا کیا مطلب ہوگا، جن میں استوار علی العرش کے مطالب بیان کئے گئے ہیں،

علامہ ذہبی نے اس کتاب کے خطبہ میں لکھا ہے، کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے، کہ عقائد میں مسلمانوں کے قدم نصوص قرآن وحدیث اور صحابہ تابعین، ائمہ تفسیر وغیرہ کے اقوال سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں،

اسمیں علامہ موصوف نے احادیث متواترہ کو یکجا کرنے کے بعد صحابہ تابعین، اور ائمہ تفسیر کے اقوال نقل کئے ہیں، اور استوار علی العرش کی تائید کی ہے،

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۳۰۶ھ میں مطبع انصاری دہلی، (ہندوستان) میں چھپی، پھر ۱۳۳۲ھ میں مطبع منار مصر سے شائع ہوئی،

۱۹- الطب النبوی، اسمیں طب نبوی کی حدیثوں کو یکجا کر دیا ہے، کتاب تین فنون پر منقسم ہے (۱) طب کے قواعد (۲) ادویہ واغذیہ (۳) بیماریوں کا علاج،

تقریباً ۱۲۹۱ھ میں مصر سے شائع ہوئی،

۲۰- المغنی فی الضعفار، مؤلف نے ابن معین، بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، دارقطنی، دولابی، حاکم، خطیب ابن جوزی وغیرہ کی کتابوں سے ضعیف راویوں کو یکجا کر دیا تھا، میزان الاعتدال کے مقدمہ میں ذہبی نے اس کا ذکر کیا ہے،

۲۱- المقتنی فی سرد الکنی، حاکم اور نسائی نے مختلف کتابیں لکھی تھیں، جسمیں حفاظ الحدیث اور راویوں کی کنیتوں کی توضیح و تشریح کی تھی، یہ کتاب انہی کا اختصار ہے،

۲۲- مختصر تاریخ نیشاپور، امام ابو عبد اللہ الحاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے خراسان کی ایک مبسوط تاریخ لکھی تھی، جسمیں سیاسی حوادث و واقعات کے ساتھ ساتھ صحابہ سے لیکر اپنے زمانہ تک کے ان علماء کے تذکرے لکھے تھے جو خراسان میں پیدا ہوئے، اور وہیں دفن ہوئے، یا کہیں سے آکر خراسان میں سکونت اختیار کر لی، تمام لوگوں کو چھ طبقوں پر تقسیم کیا تھا، اور حروف معجم کی ترتیب پر ہر ایک طبقہ کے حالات لکھے تھے۔ علامہ ذہبی کی یہ کتاب

اسی کی تلخیص ہے،

۲۳- تلخیص المستدرک، یہ مستدرک علی الصحیحین کی تلخیص ہے، اس میں روایتوں کی صحت وعدم صحت اور ان کے رجال پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی ہے،

یہ کتاب مستدرک کیساتھ چار جلدوں میں مطبعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی، پہلی جلد ۱۳۳۴ھ میں، دوسری ۱۳۴۰ھ میں تیسری ۱۳۴۱ھ میں اور چوتھی ۱۳۴۲ھ میں،

۲۴- اخبار قضاۃ دمشق، یہ دمشق کے قاضیوں کا ایک تذکرہ تھا،

۲۵- مختصر تاریخ بغداد، خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کی مشہور و معروف کتاب کا اختصار ہے اسکا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے[۱]،

۲۶- مختصر المحلی، علامہ ابن حزم نے فقہ میں محلی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جو ابھی حال میں مطبع منیریہ مصر سے گیارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، یہ کتاب اوسی کا اختصار ہے،

۲۷- مختصر سنن البیہقی، یہ سنن بیہقی کی تلخیص تھی، جس میں اسناد و متن کی تلخیص کے ساتھ ساتھ راویوں پر بھی جرح کی تھی،

۲۸- مختصر اطراف المزی علامہ مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے صحاح ستہ کے اطراف یکجا جمع کر دیے تھے، علامہ ذہبی نے اسکی تلخیص کی تھی،

۲۹- المنظومہ فی اسامی الحفاظ، نظم میں رواۃ حدیث پر جرح اور ان کے ضعیف یا ثقہ ہونے کو بیان کیا ہے، اس کے چند اشعار علامہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں علامہ ذہبی کے حالات کے بیان میں نقل کئے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیویہ میں موجود ہے[۲]،

۳۰- مختصر اخبار النحویین، جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے نحویوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی،

---

[۱] جزو خامس ص ۱۴۵، [۲] ایضاً ص ۱۶۲

جس کا نام ابناء الرواۃ رکھا، علامہ ذہبی نے اس کی تلخیص کی تھی، کتبخانہ لیڈن میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

۳۱ - کتاب الکبائر و بیان المحارم، یہ کتاب محارم شرعیہ اور گناہوں کے بیان میں ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ خدیو میں موجود ہے[1]،

۳۲ - کتاب الموقظہ اس میں راویوں کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں، اس کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتبخانہ پیرس میں ہے[2]،

۳۳ - بیان زغل العلم والطلب، یہ چونتیس صفحوں کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کو ۱۳۴۷ھ میں مطبع توفیق دمشق نے شایع کیا ہے، اس میں علامہ ذہبی نے علوم و مذاہب کی تعریف کی ہے، اور ان کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں، اخیر میں ابن تیمیہ کو نصیحت کی ہے،

۳۴ - الروع والاوجال فی نبا المسیح والدجال، اس میں مسیح و دجال کی حدیثوں کو جمع کر دیا ہے،

۳۵ - مختصر سلاح المومن، ابو الفتح المصری الشافعی المتوفی ۷۴۵ھ نے دعاؤں کے اثر کے متعلق اکیس بابوں میں ایک کتاب لکھی تھی یہ اسی کا اختصار ہے،

۳۶ - مختصر وفیات المنذری، علامہ منذری نے علماء و فضلاء کی سیرت میں وفیات کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی یہ اسی کا اختصار ہے،

۳۷ - مختصر تاریخ ابن السمعانی، سمعانی، المتوفی ۵۶۲ھ کی تاریخ (انساب؟) کا اختصار ہے،

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سے رسائل ہیں، جن کی ایک مختصر فہرست ذیل میں دی جاتی ہے، یہ کتابیں نایاب ہیں،

۱ - مختصر الفاروق لشیخ الاسلام الانصاری، ۳ - مختصر فضل العلم لابن عبد البر،

۲ - مختصر جواز السماع لجعفر الادفوی، ۴ - مختصر الزہد للبیہقی والقدر لہ،

[1] جزء ثانی ص ۱۷۸ [2] جلد سوم ص ۴۲، نمبر ۷۵۴،

۵ - مختصر الرد علی الرافضۃ لابن تیمیہ،

۶ - کتاب الزیادۃ المطربہ،

۷ - کتاب سیرۃ الحلاج،

۸ - کتاب تحریم ادبار النساء،

۹ - کتاب احادیث الصفات،

۱۰ - فضل الحج،

۱۱ - فضل آیۃ الکرسی،

۱۲ - جزء فی الشفاعۃ،

۱۳ - صفۃ النار،

۱۴ - مسئلۃ السماع،

۱۵ - مسئلۃ الغیب،

۱۶ - رؤیۃ الباری

۱۷ - کتاب الموت وما بعدہ

۱۸ - طرق احادیث النزول،

۱۹ - کتاب اللباس،

۲۰ - کتاب الزلازل،

۲۱ - مسئلۃ دوام النار،

۲۲ - کتاب التمسک بالسنن،

۲۳ - کتاب التلویح لمن سبق ولحق،

۲۴ - مختصر فی القرات،

۲۵ - کتاب بائنۃ البدر فی اہل بدر،

۲۶ - کتاب تقویم البلدان،

۲۷ - کتاب ترجمۃ السلف،

۲۸ - دعاء المکروب،

۲۹ - جزء صلاۃ التسبیح،

۳۰ - تشبیع الخسیس باہل الخمیس،

۳۱ - رسالہ فی ما یعظم ویجات فی کل طائفۃ،

۳۲ - مفاخرۃ الشمس والتوت،

۳۳ - کتاب الورد،

[1] تفصیل کے لئے دیکھو شذرات الذہب جلد ششم ص ۱۵۶، وانسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۹۵۴،

مقبرہ حضرت رکن عالم قدس سرہٗ العزیز

از

مولوی سید محمد عبد اللہ صاحب بسنوی مدرس مدرسۂ حنفیہ آرہ،

رسالہ معارف ماہ مارچ اور مئی ۳۵ء میں حضرت شیخ رکن عالم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقبرہ کا ذکر ہے، اور اسکے بانی کے متعلق نزاع ہے، "گل ملتانی" میں شہرت کی بنا پر لکھا ہے کہ شاہ رکن عالم کا مقبرہ فیروز شاہ تغلق نے تیار کرایا تھا اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے شاہ رکن عالم کو نذر کر دیا، اس قول پر "خاک ملتان" میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا گیا ہے:

(۱) خاندان تغلق میں "دو محمد شاہ" ہوئے ہیں، اول فخر الدین جونا بن غیاث الدین تغلق، ثانی ناصر الدین محمد بن فیروز شاہ، اور جس محمد شاہ نے مقبرہ نذر کیا ہوگا وہ فخر الدین جونا ہے نہ ناصر الدین محمد،

(۲) غیاث الدین تغلق نے ملتان میں کوئی مقبرہ اپنے لئے بنایا، تاریخوں سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ زبان زد عام و خاص ہے اور قیاسات اس کے موید ہیں،

(۳) قرین قیاس ہے کہ غیاث الدین تغلق نے ملتان کی حکومت کے زمانہ میں مقبرہ بنوایا ہو،

قبل اسکے کہ بیان بالا کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کچھ لکھا جائے، یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ اس تحریر کا ماخذ تاریخی کتابیں نہیں بلکہ ملفوظات ہیں، لیکن یہ کسی غیر معروف شخص کا ملفوظ[1] نہیں، بلکہ ایک ایسی ہستی کا ہے جس کی رفعت و عظمت مقبول

[1] حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ کا ورود دہلی میں دوبار ہوا، پہلی بار ۱۰ر محرم ۸۰۰ھ میں آپ نے قدوم میمنت لزوم سے دہلی کو عزت بخشی اور دہلی کے ایک بزرگ سید علاء الدین آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، دوسری بار ۱۲ر ربیع الاول ۸۰۱ھ میں دہلی پر رونق افروز ہوئے، اس دفعہ حضرت مخدومؒ نے تقریباً دس ماہ دہلی میں قیام فرمایا اور اپنے فیوض

اور سند شہرت معروف ہے یعنی سید السادات حضرت مخدوم جلال الحق والدین معروف بہ جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ لہذا ملفوظ مذکور کا بیان حق و یقین پر مبنی ہوگا، کیونکہ حضرت مخدومؒ کا ارشاد بہ نسبت دیگر اشخاص کے زیادہ صحیح اور قابل وثوق ہوگا، اور ثقہ روایات اور صحیح معلومات پر حاوی ہوگا، کیونکہ حضرت مخدومؒ اور حضرت ابو الفتح رکن عالم قدس سرہ کا ایک ہی زمانہ ہے، اول بزرگ کا یہ عالم شباب، اور ثانی کا عالم کہولت تھا، حضرت مخدوم[1] کو حضرت رکن عالم کی زیارت کا موقع ملا بھی ہے، اور کچھ دن وہ ان کی صحبت میں بھی رہے ہیں ان وجوہ سے حضرت رکن عالمؒ کے متعلق حضرت مخدومؒ کا قول زیادہ قابل اعتبار ہوگا،

اس مختصر تمہید کے بعد اصل مبحث یعنی خاک ملتان کے خیالات پر سلسلہ وار لکھا جاتا ہے، تاکہ ناظرین کو انکے مقبرہ کے متعلق صحیح علم ہو سکے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۴) و برکات سے لوگوں کو سرفراز کیا، حضرت مخدوم دونوں بار سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت میں دہلی تشریف لائے، آپ کی خدمت میں حصول برکت اور طلب دعا کے لئے شہزادہ ظفر خان، شہزادہ مبارک خاں، غیاث الدین تغلق ثانی بن فتح خاں وغیرہ حاضر ہوئے اور مخدوم کے فیوض و برکات سے فیضیاب ہوئے،

اس دفعہ جناب سید علاء الدین نے مخدومؒ کے وجود فیض بخش کو غنیمت جانا، اور آپ کی خدمت بابرکت میں رہنا اختیار کیا، اور مخدومؒ کے حضور میں جو کچھ دیکھنے اور سننے میں آیا اسے قلم بند کیا، جب حضرت مخدومؒ کو معلوم ہوا کہ سید علاء الدین مخدومؒ کے ملفوظ کو لکھتے ہیں تو آپ خاتمۂ قول پر ارشاد فرماتے کہ اس کو لکھ لو،

جناب سید علاء الدین نے اس ملفوظ کا نام جامع العلوم رکھا، یہ کتاب فارسی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم" کے نام سے معلوم ہو، یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے، ۱۲۰۰ صفحے ہیں، جناب نواب صدیق حسن خانصاحب نے جامع العلوم کا ترجمہ شروع کرایا تھا کہ حادثۂ وفات پیش آیا، اور ترجمہ کا کام بند ہو گیا، پھر نواب نور الحسن خانصاحب نے اس کا ترجمہ کرایا اور ۱۳۰۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے ترجمہ مذکور کی اشاعت ہوئی، ماخوذ از الدر المنظوم،

[1] الدر المنظوم ص۵۵، ص۳۰۵، ص۸۱۹، [2] تاریخ فرشتہ اردو،

(۱) حضرت شیخ رکن عالم قدس سرہ کی وفات ۷۳۵ھ میں ہوئی اور سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں مرا، اس کے بعد فخر الدین جونا محمد شاہ تخت پر بیٹھا اور اس کی حکومت ۷۵۲ھ تک رہی، محمد شاہ کے لاوارث مرنے پر فیروز شاہ تغلق حسب وصیت محمد شاہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا[1]، لہذا شیخ رکن عالم کی وفات فخر الدین جونا محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں ہوئی نہ کہ غیاث الدین تغلق کے عہد میں،

(۲) حضرت شیخ رکن عالم کا وصال حضرت مخدوم کے زمانہ میں ہوا لہذا آپ کو بہ نسبت اوروں کے صحیح اور پورا علم ہوگا، چنانچہ حضرت مخدوم کا ارشاد ہے کہ جب شیخ رکن عالم کا انتقال ہوا تو وہ اپنے جد کے پائینتی میں دفن کئے گئے، اور جب سلطان محمد شاہ نے مقبرہ بنوایا تو اس میں شیخ رکن عالم کو منتقل کیا بعد ازاں پھر وہاں سے اول مقام میں منتقل کر دیا گیا،

"جس خطیرہ کو سلطان محمد نے بنایا ہے دعاگو (مخدوم) اس جگہ زیارت نہیں کرتا ہے، اسی جگہ خطیرۂ شیخ بہاؤ الدین قدس سرہ میں زیارت کرتا ہوں اس لئے کہ شیخ رکن الدین کو پھر اس جگہ سے لے گئے اور میں سنتا ہوں اور مجھ سے کہا ہے کہ اس جگہ مت زیارت کر، شیخ رکن الدین اس جگہ نہیں ہیں[2]"،

"جس زمانہ میں شیخ رکن الدین قدس سرہٗ نے وفات پائی ان کے دادا شیخ کبیر (بہاء الحق والدین) کے پائینتی ان کو دفن کیا، سلطان محمد نے اس جگہ سے کھینچا، ایک دوسری خانقاہ بمقدار تیر پرتاب کے بنائی، شیخ کو اس جگہ دفن کیا، اس خانقاہ میں بیت المال کے دیہات وقف کئے، لیکن شیخ کو پھر ان کے دادا کے پائینتی لے آئے، جس جگہ اول بار ان کو دفن کیا تھا[3]"

(۳) خاک ملتان میں قیاس سے کام لیکر کہا گیا ہے کہ غیاث الدین تغلق نے ملتان میں اپنی حکومت کے زمانہ میں مقبرہ بنوایا ہو، کسی تاریخی کتاب یا اولیائے کرام کے ملفوظات و مکتوبات کا حوالہ نہیں دیا جس سے اس کے قول کی تائید ہوتی، حالانکہ الدر المنظوم میں حضرت مخدوم کا ارشاد موجود ہے، کہ سلطان محمد تغلق نے مقبرہ تیار کرایا اور اس میں حضرت رکن عالم قدس سرہ کو منتقل کیا تو گویا یہ ایک تاریخی شہادت ہو جو اس قیاس کے مقابلہ میں قابل ترجیح اور لائق قبول ہے، نیز تاریخوں سے ثابت ہو کہ فخر الدین جونا محمد شاہ تغلق کی آمد و رفت انتظام ملکی اور غارت تاتاری کے سبب سے ملتان ٹھٹھہ وغیرہ میں ہوا کرتی تھی، تو عجب کیا ہو کہ اسی زمانہ میں سلطان مذکور نے مقبرہ بنوایا اور حضرت رکن عالم کو اول مقام سے نکلوا کر اپنے بنوائے ہوئے خطیرہ میں دفن کرایا ہو،

[1] تاریخ فرشتہ اردو [2] الدر المنظوم ص ۱۴۴ [3] ایضاً ص ۱۲۵،

تلخیص و تبصرہ

یوگوسلاویا کے مسلمان

یوگوسلاویا کے مسلمانوں سے متعلق وہیں کے ایک اہل قلم اسمٰعیل آغا سمالوک (Smailaga Cemalovich) کا ایک مضمون بلغراد کے جریدہ ساؤتھ سلیو ہیرلڈ (South Slav Herald) میں شائع ہوا تھا جو مسلم اسلامک ریویو بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۵ء میں نقل ہو کر آیا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:-

یوگوسلاویا میں مسلمانوں کی تعداد اس وقت سولہ لاکھ سے زیادہ ہے، یہ لوگ زیادہ تر بوسنیا اور ہرزیگووینا میں آباد ہیں، کچھ مونٹی نیگرو، سنجق، اور جنوبی سربیا میں بھی ہیں، ترکی اور البانی نسل کے لوگ بیشتر جنوبی سربیا میں پائے جاتے ہیں، چند مونٹی نیگرو میں بھی آباد ہیں، عثمانیوں کے بلقان میں آنے سے قبل بھی موجودہ یوگوسلاویا کے جنوبی ضلعوں میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں سکونت پذیر تھیں، یہ لوگ خالص ترکی نسل کے تھے، عثمانیوں کے آنے کے بعد یوگوسلاویا کے موجودہ مسلمانوں نے اسلام اختیار کرلیا لیکن باوجود اس کے کہ انھوں نے اسلام عثمانیوں سے اختیار کیا، نسلی اور قومی حیثیت سے ان میں کوئی آمیزش ہونے نہ پائی، اور ان کی قومی روایات، زبان، تحریر، گیت، اور انفرادیت بدستور باقی رہی، جو عثمانیوں سے بالکل مختلف تھی،

یوگوسلاویا کے مسلمان ملکی تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں، بعض مسلمان یوگوسلاوی لٹریچر میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، بعض مصوری اور سنگ تراشی میں ممتاز ہیں،

مسلمان عورتیں بھی ۱۹۱۸ء کے بعد سے حکومت کے انتظامی معاملات اور مدارس میں روز بروز زیادہ حصہ لے رہی ہیں، چنانچہ مسلمان عورتیں مدرسوں اور کالجوں میں پڑھاتی ہیں، ڈاکٹر ہیں، عدالتوں، ڈاکخانوں اور دوسرے ملکی اداروں میں کام کرتی ہیں، یوگوسلاویا کے مسلمان متعدد تمدنی اور تعلیمی رسالے بھی نکالتے ہیں، یوگوسلاویا میں بہت سے مشہور اسلامی کتب خانے ہیں، جن مین ہزاروں قیمتی مخطوطات محفوظ ہیں، ان میں سے بعض مخطوطات پندرھویں صدی سے انیسویں صدی تک کی بلقان کی تاریخ کے مطالعہ کے لئے نہایت درجہ اہم ہین،

اقتصادی حیثیت سے یوگوسلاویا کے مسلمانوں کی حالت آج بہت خراب ہے، کیونکہ ۱۹۱۸ء کی آزادی کے بعد زمینوں کا جو بند وبست ہوا، اس سے مسلمان زمینداروں کے ہاتھ سے بڑے بڑے علاقے نکل گئے، اس انتظام کے باعث مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دفعۃً اپنی معاش کے سب سے بڑے ذریعہ سے محروم ہو گئی، اراضیات کا یہ بند وبست اچانک اور غیر متوقع ہونے کے علاوہ بہت بے موقع بھی پیش آیا، کیونکہ جنگ عظیم کے اثراتِ مابعد نے اُسوقت تمام دنیا کے اقتصادی نظام کو پراگندہ کر رکھا تھا، یہ چوٹ ان کے لئے کاری تھی، کیونکہ مسلمان صدیون سے حکمرانی کرتے آئے تھے، اور اپنی حکمرانی پر قناعت کرکے انھون نے تجارت، صنعت وحرفت اور تعلیم کی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، جب بوسینا اور ہرزیگووینا میں آسٹریا کی حکومت قائم ہوئی، تو اوس نے بھی یہی مناسب سمجھا، کہ مسلمانوں کو تعلیم نہ دیجائے کیونکہ ان کا جاہل رہنا اغراضِ حکومت کے لئے مفید تھا،

مذہبی تنظیم میں بوسینا اور ہرزیگووینا کے مسلمان ملک کے دوسرے مسلمانون سے بہت بڑھے ہوئے تھے، کیونکہ انھون نے آسٹروی حکومت میں دس سال کی جد وجہد کے بعد ۱۹۰۹ء میں مذہبی اور تعلیمی خود اختیاری حاصل کر لی تھی، اس جد وجہد میں سیاسی رنگ بھی شامل تھا جس کا ثبوت یہ ہے، کہ مسلمانون کے ساتھ سربیا کے وہ عیسائی بھی شریک تھے، جو کلیسائے یونان سے تعلق رکھتے تھے، آسٹریا

کے خلاف مسلمانون کی اس تحریک کا سبب تھا، کہ حکومت نے موقوفہ جائدادین بجبر ضبط کر لی تھیں، اور اسقف اعظم اشٹاڈلر (Stadler) نے مسجدون، حرم سراؤں، اور مسلمان نوجوانوں کے ساتھ زیادتی اور تبلیغ شروع کر دی تھی،

۱۹۱۸ء کی آزادی کے بعد حالات اس حیثیت سے بدل گئے، حکومت کی تحریک پر جب ملک کے ہر مذہب کو آئینی حقوق ملے، تو یوگوسلاویا کی انجمن اسلامیہ کو بھی ایک دستور دیا گیا، انجمن اسلامیہ کے اس دستور کے رو سے ایک مذہبی تنظیم قائم کر دی گئی، اور رئیس العلما، اس کا صدر مقرر ہوا، رئیس العلما، کا مرتبہ ایک وزیر کا ہے، اور قانوناً اُسے شرعی قضاۃ کے تقرر کا حق حاصل ہے، اگرچہ یہ شرعی قاضی حکومت کے عہدہ دار ہیں، اور حکومت ہی سے ان کو مشاہرہ بھی ملتا ہے، تاہم ان کا تقرر رئیس العلما، کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتا، مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام ہے، ابتدائی مذہبی تعلیم مکتبوں میں دی جاتی ہے، جہاں سے فارغ ہو کر بچے ابتدائی مدرسوں میں داخل ہوتے ہیں، ان کے علاوہ سرکاری ابتدائی اور ثانوی مدرسوں میں بھی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے، مذہبی عہدہ داروں کی تعلیم کے لئے بوسینا اور ہرزیگووینا کے علاقوں میں بائیس مدرسے ہیں جنمیں سب سے زیادہ مشہور غازی حسرت بیگ کا مدرسہ ہے، جو سراجیوو (Sarajevo) میں واقع ہے، اس میں آٹھ درجے ہین، اور اس کی حیثیت ایک ثانوی مدرسہ کی ہے، جو طلبہ اس مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں، ان کو حکومت کی طرف سے امامت کی سند ملتی ہے، یہ امام مختلف امامتون یعنی علاقون میں مقرر کر دیئے جاتے ہیں، ہر امامت میں تقریباً تین سو گھر ہوتے ہیں، اماموں کا فرض صرف مسجدوں ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اپنے علاقوں کے مسلمانوں کی پیدائش اور موت بھی انہی کو رجسٹر میں درج کرنی پڑتی ہے، دوسرے مذہبوں کے لوگ ترکی عہد حکومت میں بھی اس کام کو کرتے تھے، مگر مسلمانون کے لئے یہ ایک بالکل نئی چیز ہے، سراجیوو کی مجلس علما، کے علاقہ میں جس میں ۱۳۰۲۶۹ گھر اور ۵۲۱۲۶، مسلمان ہیں، کل ۱۲۲۶ مذہبی عہدہ دار ۵۲۸۰۴ ہیں جن میں ۳۱۲ امام ہیں، اس علاقہ میں ۱۰۴۳ مکتب ہیں، جہاں قرآن پاک کی تعلیم ہوتی ہے، اور

بچے پڑھتے ہیں، مسجدیں (۱۱۲۰) ہیں،

فوج کی مذہبی ضروریات کے لئے ہر دستہ میں ایک مخصوص فوجی امام ہوتا ہے، جس کا درجہ کپتان کا ہوتا ہے، اسکو حکومت کی طرف سے تنخواہ ملتی ہے، وزارتِ جنگ میں بھی ایک فوجی امام ہوتا ہے،

سراجیوو میں تقریباً چالیس برس سے ایک شرعی مدرسہ شرعی قاضیوں کے لئے قائم ہے، اس وقت مملکت یوگوسلاویا میں ایک سو پچاسی شرعی قاضی موجود ہیں، جامعہ بلغراد میں مشرقی زبانوں اور اسلامی شریعت کا بھی ایک شعبہ ہے، نکاح اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں اسلامی شریعت کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے،

تمام مذہبی عہدہ داروں کو انجمن اسلامیہ کے خزانہ سے تنخواہیں دی جاتی ہیں، اور اس مد میں حکومت انجمن مذکور کو (۱۵۱۰۲۰۰) دینار سالانہ دیتی ہے، اس کے علاوہ انجمن کے خزانہ میں اس مذہبی ٹیکس کی رقم بھی آتی ہے، جو مسلمان ادا کرتے ہیں، نیز موقوفہ جائدادوں کی آمدنی بھی جمع ہوتی ہے، جس کا تخمینہ تقریباً ایک ارب دینار ہے،

بوسنیا، ہرزگووینا، جنوبی سربیا، اور سنجق کے ہر شہر اور قصبہ میں مسلمان اکثریت میں ہیں، دیہاتوں میں ان کا پیشہ زراعت، اور تمباکو، افیون، ریشم کے کیڑے وغیرہ کی کاشت ہے، شہروں میں وہ تجارت اور دستکاری کا کام کرتے ہیں، وہ صنعت و حرفت میں بھی حصہ لیتے ہیں، خصوصاً، لکڑی، چمڑے، کپڑے اور دھات کے کاموں میں وہ مطبعوں کے بھی مالک ہیں، متعدد کاروباری کوٹھیوں کے علاوہ ان کا ایک بڑا جنیک بھی ہے، جس کا سرمایہ چار کروڑ بیس لاکھ دینار ہے، سراجیوو میں بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ بھی ہے، اس کا انتظام جدید ترین طریقہ پر ہے، اور اس میں بچوں کو علوم و فنون کے علاوہ صنعت و حرفت کی بھی تعلیم جاتی ہے، سراجیوو میں دستکاری کا ایک مدرسہ بھی ہے، جو ڈاکٹر آرنالڈ، پروفیسر لندن یونیورسٹی کے قول کے مطابق تمام دنیا میں اپنی قسم کا پہلا مدرسہ ہے، یہ مدرسہ تمامتر مسلمانوں کا ہے، ان کے علاوہ

مسلمانوں کی اور بھی مختلف تمدنی رفاہی، تجارتی، اخلاقی و ورزشی انجمنیں اور سوسائٹیاں ہیں،

یوگوسلاویا کے مسلمانوں کی تمدنی اور تعلیمی حیثیت زیادہ تر اس تمدنی اور تعلیمی انجمن کے قیام سے وابستہ ہے جو "غیرت" (Gairet) کے نام سے مشہور ہے، ۱۹۰۳ء میں اس انجمن کے قیام کے وقت ثانوی مدارس کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی، اور اعلیٰ مدارس میں تو شاید ہی کوئی داخل ہوا ہو، انجمن غیرت کے قائم ہوتے ہی بوسنیا اور ہرزگووینا کے تمام حصوں میں مسلمانوں کی تمدنی اور تعلیمی حیثیت تیزی کیساتھ ترقی کرنے لگی، یہ انجمن آج ایک قومی انجمن ہے، جس کے مستقل ارکان کی تعداد چھبیس ہزار ہے، اس کی سرگرمیاں پہلے صرف تمدنی کاموں تک محدود تھیں، مگر ۱۹۱۰ء کے بعد سے اُسنے اپنے مقاصد وسیع کر دئے ہیں، اور مسلمانوں کی قومی ترقی کے لئے کوشش کر رہی ہے، اس کے زیر اہتمام اس وقت نو اقامتی مدارس ہیں جنھیں چھ سو لڑکے اور لڑکیاں ثانوی مدارس کے درجہ تک تعلیم حاصل کر رہی ہیں، ان کے علاوہ ثانوی اور اعلیٰ مدارس کے طلبہ کو یہ انجمن مستقل وظائف بھی دیتی ہے، مسلمان عورتوں کے لئے اس نے مختلف صنعتوں کے کارخانے بھی قائم کر دئے ہیں، مثلاً کپڑا سینے کے کارخانے، قالین بننے کے کارخانے، کشیدہ کاری کے کارخانے وغیرہ وغیرہ، یہ انجمن تمام ضلعوں کے ناخواندہ مسلمانوں کو تعلیم دلانے کی کوشش کرتی ہے، اور اپنے خرچ سے ہر سال چند طلبہ کو قاہرہ اور الجزائر کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجتی ہے، سراجیوو کی انجمن "غیرت" کے علاوہ بلغراد میں بھی اسی نام کی ایک انجمن ہے، جس نے گذشتہ سال طلبہ کے لئے ایک دار الاقامہ تعمیر کیا ہے، جس میں جامعہ بلغراد کے ڈیڑھ سو مسلمان طلبہ اور طالبات مقیم ہیں، اس کے علاوہ "اوزدانیکا" (Uzdanica) نامی ایک اور انجمن بھی ہے جس نے سراجیوو میں ثانوی مدارس کے لئے بہت سے دار الاقامتوں کا انتظام کر دیا ہے، ان انجمنوں کی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف پیشوں اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد خاصی ہوگئی ہے، اعداد حسب ذیل ہیں:-

وکلاء ۲۸

ڈاکٹر،	۶۴
انجینیر،	۴۱
پروفیسر،	۸۹
جج،	۲۳۵
اساتذہ،	۱۲۸
مختلف سرکاری عہدہ دار،	۱۵۷۸

ان کے علاوہ فوج، مالیات اور ریلوے میں بھی مسلمان چھوٹے بڑے عہدوں پر مامور ہیں، موجودہ قوانین کے روسے حکومت کا ہر عہدہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے، اسوقت ایک مسلمان ایک ضلع کی عدالت کا صدر ہے، ایک مسلمان وکیل سرکار ہے، ایک عدالت عالیہ کا جج ہے، اور ایک اسٹیٹ کونسل کا ممبر ہے، ۱۹۱۸ء کے بعد سے مسلمان یوگوسلاویا کی فوج میں بھی برابر لئے جارہے ہیں، اور ان میں سے بعض فوج کے نہایت ذمہ دار اور بلند عہدوں پر بھی فائز ہیں، ۱۹۱۸ء کے بعد سے ہر کیبنٹ میں کوئی نہ کوئی مسلمان ممبر ضرور رہا ہے، اور ۱۹۲۴ء میں تو کیبنٹ کے تین ممبر مسلمان تھے، اس وقت تک دس وزراء مسلمان رہ چکے ہیں، اور بعض اشخاص کو کئی کئی بار وزارت مل چکی ہے، موجودہ حکومت میں بھی ایک وزیر مسلمان ہے، ۱۹۱۸ء کے بعد سے مسلمان پارلیمنٹی سرگرمیوں میں بھی روز بروز زیادہ حصہ لے رہے ہیں، اسوقت ان کے گیارہ نمایندے نیشنل پارلیمنٹ میں اور سات سینیٹ میں ہیں،

"ع ز"

چین کا مرکزی سائنٹفک ادارہ

چین کے مرکزی سائنٹفک ادارہ کا باضابطہ نام اکاڈیمیا سینکا (Academia Sinica) ہے، جسے قومی حکومت نے ۱۹۲۸ء میں نانکنگ میں قائم کیا تھا، سرکاری سند کے روسے یہ چین میں سائنٹفک تحقیقات کا سب سے بڑا ادارہ ہے، تمام دوسرے اداروں کے برخلاف یہ سیاسی تسلط سے آزاد ہے، کیونکہ

یہ کسی وزارت یا مجلس کے ماتحت نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق تمامتر قومی حکومت یعنی خود صدر جمہوریہ سے ہے، یہ بھی چین کے سب سے بڑے قومی ادارہ کی حیثیت سے اُن افراد یا جماعتوں کو اعزازی ڈگریاں دیتا ہے، جنھوں نے سائنس میں امتیاز حاصل کیا ہے، چین میں سائنٹفک تحقیقات کی نگرانی اور اہتمام کے لئے اس ادارہ میں تیس ممبروں کی ایک کونسل بھی ہے، جو ملک کے منتخب سائنسدانوں پر مشتمل ہے،

یہ مرکزی ادارہ حقیقۃً متعدد سائنٹفک اداروں کا مجموعہ ہے، اس وقت اس کے زیر اہتمام مندرجۂ ذیل سائنسوں کے دس ادارے کام کر رہے ہیں:- طبعیات، کیمیا، انجینیرنگ، ہیئت، شہابیات، حیوانیات، نباتیات، نفسیات، ارضیات، تاریخ، علم اللغۃ، اور علوم معاشرت، اس فہرست سے ظاہر ہے کہ تحقیقات کا دائرہ کسقدر وسیع ہے،

ہیئت اور شہابیات کے ادارے نانکنگ میں واقع ہیں، اول الذکر (۵۰۰ فٹ بلند) پہاڑی کی ایک چوٹی پر تعمیر کیا گیا ہے، اس کا شمار مشرق بعید کے بہترین رصدخانوں میں ہے، شہابیات کا ادارہ شہر کی ایک دوسری پہاڑی پر ہے، جس کو "رصدخانہ کی پہاڑی" کہتے ہیں، کیونکہ ۱۳۴۱ء میں ایک رصدخانہ تعمیر کیا گیا تھا، جو سترھویں صدی کی ابتدا تک قائم تھا، یہ ادارہ جدید ترین آلات تحقیق سے آراستہ ہے، اس میں زمین کی حرکت معلوم کرنے کے آلات بھی ہیں، یہ لاسلکی کے ذریعہ سے اپنی پیشین گوئیاں برابر شائع کرتا رہتا ہے، چین کے دوسرے حصوں میں شہابیات کے جو مرکز ہیں، ان سب سے اس کا تعاون رہتا ہے، اور ملک کے مختلف مقامات پر اوس نے اپنی شاخیں بھی قائم کر رکھی ہیں، جن میں سے ایک کوکونور اور دوسری لاسا میں ہے، بالائی ہوا کی تحقیق کی غرض سے ہر ہفتہ اس کے ماہرین طیاروں کے ذریعہ فضا کی سیاحت کرتے ہیں،

ان کے علاوہ ارضیات، حیوانیات، نباتیات، تاریخ، اور لغت کے ادارے بھی نانکنگ میں قائم ہیں، ادارہ ارضیات اپنے کام کی نوعیت اور وسعت کے لحاظ سے چین کے نیشنل جیوگرافیکل

(National Geographical Survey) سروے

جو وزارت صنعت و حرفت کے ماتحت ایک قدیم ادارہ ہے، بہت کچھ ملتا جلتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں ارضیات کے نظری پہلو پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس کی مطبوعات بھی نیشنل سروے کی مطبوعات سے ضخامت میں کم ہونے کے باوجود بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی ہیں، اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر جے، ایس، لی (Dr. J. S. Lee) نے حال میں چین کی ارضیات پر جیوگرافیکل سوسائٹی آف لنڈن اور برطانیہ کی دوسری یونیورسٹیوں میں تقریریں کی ہیں،

تمام تر اداروں میں چین کے باہر تاریخ اور لغت کا ادارہ اپنے شعبہ اثریات کے اکتشافات کی بنا پر زیادہ مشہور ہے، پہلی بار قدیم چینی تاریخ کی تصحیح آثار قدیمہ کے اکتشافات سے کی جارہی ہے، انیانگ (An-yang) واقع صوبہ ہونان جہان یہ آثار قدیمہ کھود کر نکالے جارہے ہیں، خاندان شانگ (۱۴۰۱ تا ۱۱۲۲ ق م) کا پایہ تخت تھا، اسکی قدامت کا پتہ سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں لگا تھا جبکہ چند ایسی ہڈیاں برآمد ہوئی تھیں، جن پر نہایت قدیم حروف کندہ تھے ۱۹۲۸ء سے کھودائی کا کام مسلسل جاری ہے، ایسی ہڈیوں، کوڑیوں، کانسہ اور مٹی کے برتنوں، اور پتھر کے اوزاروں کی بہت بڑی تعداد کھود کر نکالی گئی ہے، نیز متعدد محل اور مقبرے جو زمین میں دفن تھے، برآمد کئے گئے ہیں، ان میں سے بعض نوادر چینی آرٹ کی نمائش میں جو لنڈن میں ہونے والی ہے، دکھائے جائیں گے،

تاریخ اور لغت کے شعبوں کے کارنامے بھی کم اہم نہیں ہیں، ان دونوں نے بھی متعدد کتابیں شائع کی ہیں،

علوم معاشرت (Social Sciences) کا ادارہ بھی نانکنگ میں قائم کیا گیا تھا اس میں چار علوم کے شعبے تھے، قانون، معاشیات، عمرانیات، اور علم جنس بشری (Ethnology) ان میں موخر الذکر کے کارنامے سب سے زیادہ ہیں، اس شعبہ نے شمالی مشرقی اور جنوبی مغربی چین

کی قدیم قوموں کا بہت کچھ مطالعہ کیا ہے، ۱۹۳۴ء میں یہ ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سروے[ل] میں شامل کر دیا گیا، اور اوس کا مرکز پاپنگ میں قائم کیا گیا، اب یہ ادارہ تمام تر معاشیات کے مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے اور علم جنس بشری کے قدیم شعبہ کو انسانیات کا شعبہ بنا کر ادارہ تاریخ و لغت کے ماتحت کر دیا گیا ہے،

نفسیات، طبیعیات، کیمیا، اور انجینیرنگ کے ادارے شنگھائی میں واقع ہیں، نفسیات کا ادارہ سب سے چھوٹا ہے، اور اب وہ نانکنگ میں منتقل کیا جارہا ہے، بقیہ تینوں ادارے شنگھائی ہی کی ایک دومنزلہ عمارت میں ہیں، جو ۱۹۳۳ء میں پچاس ہزار پونڈ کے سرمایہ سے تیار کی گئی ہے، طبیعیات اور کیمیا کے اداروں میں بہترین آلات اور سامان ہیں، اور ان تینوں اداروں میں کوشش کی جارہی ہے، کہ چین کی ملکی پیداوار کو سائنٹفک تحقیق و تجربہ سے صنعت و حرفت کیلئے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنایا جائے،

اکاڈیمیا سنیکا کو سرکاری خزانہ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ ملتے ہیں، اس کے سرمایہ محفوظ کی آمدنی اور دوسری مختلف امداد کو بھی اگر شامل کر لیا جائے، تو اس کی سالانہ آمدنی تقریباً ڈیڑھ لاکھ پونڈ ہو جاتی ہے،

"ن" "ع ز"

ل Institute of Social Survey of the China Foundation for the advancement of Education and culture.

اخبار علمیہ

آفتاب کی شعاعوں سے پچاس گنی زیادہ تیز شعاعیں

ابھی تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا جس سے رنگ کی پختگی کا حال جلد اور قابلِ اعتماد طریقہ پر معلوم ہوسکے، رنگ کی پختگی کا اندازہ رنگین چیزوں کے دھوپ میں رکھنے سے ہوسکتا تھا، کیونکہ آفتاب رنگ کا سب سے بڑا دشمن ہے، لیکن یہ طریقہ نہ صرف دیر طلب بلکہ ناقابلِ اعتماد بھی تھا کیونکہ آفتاب کی شعاعوں کی تیزی کا انحصار زیادہ تر موسم اور عرض البلد پر ہے، لہذا ان تمام کارخانوں کے لئے جن مین رنگوں کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً پارچہ بافی اور رنگ سازی کے کارخانے، آینڈ ہوون (Eindhoven) واقع ہالینڈ کے ایک سائنٹفک معمل کی ایجاد بہت ہی مفید ثابت ہوگی، اس معمل نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے رنگ کی پختگی کا اندازہ تھوڑی دیر میں کیا جاسکتا ہے، آفتاب کی کرنین مختلف قسم کی ہوتی ہین، سائنٹفک تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے، کہ اسکی بعض کرنین رنگ کے لئے مطلق مضر نہیں ہین، لہذا اس آلہ کے ایجاد کرنے والے نے صرف انہی کرنوں کو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو رنگ کے لئے مضر ہیں، اور وہ نہ صرف اس کوشش میں کامیاب ثابت ہوا ہے، بلکہ اس نے ان مصنوعی کرنوں کو قوت میں آفتاب کی کرنوں سے بھی تقریباً پچاس گنا زیادہ تیز بنا دیا ہے، اس آلہ کی لمبائی ایک گز ہے، اور یہ آسانی سے میز پر رکھا جاسکتا ہے، اس کی شعاعیں متحد اور باہم مرکز ہوکر ایک مربع سنٹی میٹر (تقریباً نصف انچ) پر پڑتی ہین، اور ایک یا زیادہ سے زیادہ دو گھنٹہ میں ان سے وہ نتیجہ نکل آتا ہے، جو آفتاب کی شعاعوں سے مہینوں میں برآمد ہوتا ہے، چونکہ یہ شعاعیں نہایت تیز ہوتی ہین، اس لئے جس چیز کو امتحان کی غرض سے اس کے سامنے

رکھتے ہین، اسے جلنے کے خوف سے برابر ٹھنڈا کرتے رہتے ہیں، اس آلہ کی صحت کا امتحان اس طرح کیا گیا کہ ایک ہی قسم اور رنگ کی دو چیزین علیحدہ علیحدہ اسکے اور آفتاب کے سامنے رکھی گئیں، اور پھر رنگ کے اڑنے کے بعد مقابلہ کرنے پر دیکھا گیا، تو دونوں بالکل یکساں تھیں،

بعض قدیم ترکی دستاویزات

حال میں جمہوریہ ترکی کی ایک کمیٹی نے جو تاریخی چیزوں کے مطالعہ و تحقیق میں مصروف ہے، باب عالی کی قدیم دستاویزات کی دو جلدین شائع کی ہیں، پہلی جلد ۹۶۱ سنہ ہجری سے ۱۱۰۰ سنہ ہجری اور دوسری ۱۱۰۰ سنہ ہجری سے ۱۲۰۰ سنہ ہجری تک کی دستاویزات پر مشتمل ہے، ان دستاویزات میں اُس عہد کے استنبول کے معاشرتی، اقتصادی، تجارتی، بلدی، نیز دیگر حالات ملتے ہین، اور اس دور کی طرزِ معاشرت کی صحیح اور اصلی تصویر نظر آتی ہے، متعدد دستاویزات میں مسجدون، نہرون، اور حمامون کی مرمت کے احکام ہین، پہلی جلد کے ایک حصہ میں وہ احکام درج ہین، جو غیر مسلمون کے عبادتخانون، اور ان کی معاشرتی حیثیت سے متعلق نافذ کئے گئے تھے، دوسری جلد کی ایک دستاویز مین وہ اجازت نامہ محفوظ ہے، جو سلطان نے ابراہیم پاشا کی درخواست پر مطبع قائم کرنے کی نسبت عطا کیا تھا، یہ ایک طویل دستاویز ہے، جس میں اجازت کے ساتھ اس کے شرائط بھی لکھے ہوئے ہین، پہلی شرط یہ تھی کہ فقہ، تفسیر، اور حدیث کی کتابیں طبع نہ کیجائین گی، اور صرف وہی کتابین چھپینگی جو صرف و نحو، تاریخ، سائنس، طب، ہیئت، اور جغرافیہ سے متعلق ہون گی، دوسری شرط یہ تھی کہ چھپنے کے بعد یہ کتابیں ایک خاص مجلس کے سامنے معائنہ کے لئے پیش کی جائیں گی، اور اسی وقت شائع ہون گی، جب وہ مجلس انکا مطالعہ کرچکے گی،

انسانی عمر

ماہرین علم تشریح اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ایک حیوان کی فطری مدت حیات عموماً اُس مدت کی پانچ گنی ہونی چاہئے، جو اس کی کامل جسمانی نشوونما کے لئے ضروری ہے، چونکہ انسان کی جسمانی نشوونما ۲۰ سال

میں اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے، اسلئے کلیہ مذکورہ کی بنا پر اسکی عمر اوسطاً (۱۰۵) سال ہونی چاہئے، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن نے اس مسئلہ کو از سرنو پیش کر کے ماہرین حیاتیات سے دریافت کیا ہے، کہ حیوان ناطق عموماً کیون اس مدت سے قبل ہی اپنے زندگی کے ایام پورے کرلیتا ہے، موجودہ زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ مین ایک لاکھ آدمیون میں سے صرف (۲۳) آدمی سو سال کی عمر تک زندہ رہتے ہین، اکثر لوگ (۶۰) اور (۸۰) سال ہی کے درمیان ختم ہوجاتے ہین، اس کا بڑا سبب محققین کے نزدیک یہ ہے، کہ اُن کے آباو اجداد کی عمریں بھی زیادہ نہیں ہوتین، پروفیسر ریمنڈ پرل (Raymond Pearl) نے طویل مطالعہ و تحقیق کے بعد یہ رائے قائم کی ہو کہ حادثات سے قطع نظر انسان کی مدت حیات بھی اسی حد تک ایک موروثی چیز ہے، جس حد تک اسکے قد کی لمبائی،

جرمن کتابون اور رسالون کی قیمتوں میں تخفیف

جرمن کتابون اور رسالون کی گران قیمتی پر برطانیہ اور امریکہ کی طرف سے جو اعتراضات ہوئے تھے، ان کی بنا پر دو سال ہوئے، جرمن ناشرون نے قیمتون میں بیس فی صدی کی تخفیف کردی تھی لیکن چونکہ یہ تخفیف پونڈ کی قیمت کے گرجانے سے غیر محسوس رہی، اسلئے احتجاج بدستور باقی رہا، چنانچہ اب جرمن ناشروں نے مزید تخفیف کا اعلان کیا ہے، جس کے روسے اون تمام نئی کتابون اور رسالون کی قیمتون میں جو جرمنی میں شائع ہونگے، ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء سے پچیس فی صدی کی کمی ہوجائیگی،

الحادکی رو

رسالہ لٹریری گائڈ کی روایت ہے کہ آسٹریلیا کی آخری مردم شماری میں وہان کے ۸۴۸۹۴۸ باشندون نے اپنا مذہب بتانے سے انکار کردیا، اس سے قبل ۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف (۹۲۲۵۰) تھی، آسٹریلیا کے صوبہ نیو ساؤتھ ویلز میں (۴۵۳) آدمیوں نے اپنے کو ملحد بتایا، (۵۱۰) نے دہریت کا اعلان کیا، (۱۲۰۱) نے اپنے کو ہر مذہب وملت سے بے تعلق ظاہر کیا، (۱۸۱) نے عقلیت

کا متبع بتایا، اور (۶۲۱) نے "روحانیت" کا، رسالہ مذکور کا بیان ہے، کہ امریکہ کے متعلق بھی یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے، کہ وہاں (۱۲۵،۰۰۰،۰۰۰) آدمیوں میں (۵۰،۰۰۰،۰۰۰) ایسے ہین جن کا کوئی مذہب نہیں ہے،

انگلستان اور عیسائیت

انگلستان میں عیسائیت کے حلقہ بگوشوں کی تعداد روز بروز کم ہورہی ہے، چنانچہ حال میں سینٹ پال کے ڈین، ڈاکٹر میتھوز (Dr. W. R. Mathews) نے کیمبرج میں ایک مذہبی انجمن میں تقریر کرتے ہوے، اس کی تصدیق بھی کی، موصوف نے فرمایا:۔ "میرا خیال ہے کہ اس ملک کے بیس فی صدی سے زیادہ آدمی کسی معنی میں بھی عیسائی نہیں ہیں، اور ہمارے ہاں ایک قومی کلیسا کا ہونا مجھے تو ایک عجیب چیز معلوم ہوتا ہے"،

نیوزیلینڈ میں زلزلونکی تعداد

نیوزیلینڈ (New Zealand) کے زلزلوں کی یادداشت ۱۸۴۰ء سے رکھی جاتی ہے، اُس وقت سے ۱۹۳۴ء کے آخر تک اس کے مختلف حصوں میں چھ ہزار سے زیادہ زلزلے آچکے ہین

بعض جانورونکی عمریں

برطانیہ کے ایک سائنس دان نے بعض جانورون کی عمریں حسب ذیل بیان کی ہیں:۔

خرگوش	چھ سال سے سات سال تک	گھوڑا	بائیس سال سے پچیس سال تک
بلی	پندرہ " " سترہ " "	اونٹ اور گاے	ساٹھ سال
کتا	سولہ " " اٹھارہ " "	کچھوا	ایک سو دس سال
ریچھ	اٹھارہ " " بیس " "	عقاب	ایک سو بیس سال
گینڈا	بیس " " پچیس " "	ہاتھی	چار سو سال،

(ص ع)

ادبیات

سخنِ ماہر

از جناب منظور حسین صاحب ماہر القادری حیدرآباد دکن

نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے — خدا معلوم! تیرے حسن کی دنیا کہاں تک ہے

یہی طوفاں مجھے آسودۂ ساحل بنائیگا — تلاطم میری کشتی کا شکستِ بادباں تک ہے

محبت کو خیالِ ماسوا چھو بھی نہیں سکتا — ہوس کی جادہ پیمائی فقط سود و زیاں تک ہے

فرشتوں کی زبانوں پر بھی ہو میرا ہی افسانہ — نہیں معلوم تیرے عشق کا چرچا کہاں تک ہے

نظر آتا ہے کیوں ذروں میں عکسِ خطِ پیشانی — ابھی کچھ فاصلہ شاید جبیں سے آستاں تک ہے

تمھارے حسن سے قوسِ قزح کی رنگ آرائی — تمھارے نور سے روشن جبینِ کہکشاں تک ہے

وہ اک جذبہ ہوس کا ہے محبت ہو نہیں سکتی — تعلق صرف جس کا ارتباطِ جسم و جاں تک ہے

تری مخمور آنکھوں کا تصور اے معاذ اللہ! — یہی محسوس ہوتا ہے کہ مستی لامکاں تک ہے

کوئی بچھڑے ہوؤں کی بات بھی سنتا نہیں ماہرؔ — جرس کی مہربانی کارواں ہی کارواں تک ہے

کلامِ تپش

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، ایم، اے، ایم او ایل لکچرر ایمرسن گورنمنٹ کالج ملتان

نہ جاگی آج تک تقدیر دیکھا چاہئے کیا ہو؟ — مرے اس خواب کی تعبیر دیکھا چاہیے کیا ہو!

پڑے چشمِ عدو میں یا بنے مدفن خدا جانے — اڑی ہے خاکِ دامنگیر دیکھا چاہیے کیا ہو!

ہوا جاتا ہے خالی یہ نشیمن بھی تصور کا! — پریدہ رنگ ہے تصویر دیکھا چاہئے کیا ہو!

ابھی آغاز ہے، بگڑا ہے نقشہ بزمِ ہستی کا — ابھی نالوں میں ہے تاثیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

ہزاروں نقشِ پا سجدہ طلب او بے نشاں منزل — ترا انجام اے رہگیر! دیکھا چاہئے کیا ہو!

ابھی کن مشکلوں سے بل نکالے تھے مقدر کے — کہا پھر زلف کو زنجیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

کھلے راہِ وفا یا بند ہوں رخنے محبت کے — چھپا چٹکی سے ان کی تیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

دلِ بیتاب! کیوں کھولا کسی کے حسن کا پردہ — ہوئی ثابت تری تقصیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

تپش تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا نہیں مٹتا،

نہیں بنتی کوئی تدبیر دیکھا چاہئے کیا ہو!

انوارِ سخن

از جناب لطیف انور گورداسپوری پشاور

یہاں کی سرزمیں کیوں آسماں معلوم ہوتی ہے — ترے کوچے میں خاکِ دل نہاں معلوم ہوتی ہے

تصور میں تری معصوم صورت شامِ تنہائی — نئی معلوم ہوتی ہے، جواں معلوم ہوتی ہے،

کوئی سمجھے نہ سمجھے غمزدہ کا مدعا لیکن — مجھے تو چشمِ گریاں بھی زباں معلوم ہوتی ہے!

نہ پوچھ اے چارہ گر اب درد کی شدت کلیجے میں — کدھر معلوم ہوتی ہے کہاں معلوم ہوتی ہے!

کبھی دل کو نہ اتنا شاد پایا تھا یہاں پہلے — کرامت کچھ تری پیرِ مغاں معلوم ہوتی ہے

ترے خنجر کی زد پڑتی ہے جس پر بر سرِ مقتل، — اسی کو اپنی ہستی جاوداں معلوم ہوتی ہے

دل و دیدہ کی تسکیں ڈھونڈنے والے یہاں آئیں — ترے دامن کے سایے میں اماں معلوم ہوتی ہے

وہ ہنگامِ جدائی کہہ گئے تھے ایک بات انورؔ

مگر مجھکو وہی اب داستاں معلوم ہوتی ہے،

باب التقریظ والانتقاد

عربوں کی جہازرانی

مؤلفہ مولانا سید سلیمان ندوی ضخامت مع تتمہ ۲۰۵ صفحات، قیمت عہ ملنے کا پتہ، اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن ۴۳ چوپاٹی روڈ بمبئی۔

مسلمانوں کے تمدنی کارناموں کی جو یادگاریں تھیں، وہ اگرچہ بہت کچھ مٹ گئیں تاہم اون کا بچا کچا حصہ اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے، اور مسلمانوں کی گذشتہ عظمت کی یاد کو تازہ کر رہا ہے، لیکن یہ تمام یادگاریں صرف خشکی میں موجود ہیں، اونھوں نے سمندر کی متلاطم موجوں کے اندر جو کارہائے نمایاں کئے تھے، انکی کوئی زندہ یادگار اس وقت موجود نہیں، صرف تاریخوں میں ان کی بحری جدوجہد کا متفرق طور پر تذکرہ موجود ہے، لیکن ان پراگندہ معلومات کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو دنیا کو صاف معلوم ہو جائے کہ کسی زمانے میں مسلمان بحر و بر اور خشک و تر دونوں پر چھاگئے تھے، اور انھوں نے جس طرح خشکی میں ہزاروں سربفلک عمارتیں بنائی تھیں، اوسی طرح سمندر کی سطح پر جہازوں کی ایک دنیا آباد کر دی تھی،

لیکن ان پراگندہ معلومات کے جمع کرنے کے لئے وسعت نظر کے ساتھ مسلسل محنت کی ضرورت تھی، اور اس کام کو وہی لوگ انجام دے سکتے تھے جنھوں نے صرف علمی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہوں، اور وہی لوگ اس ٹھوس موضوع کے مخاطب ہو سکتے تھے، جو کسی خالص علمی سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہوں، خوش قسمتی سے بمبئی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم نے ۱۹۳۱ء میں مولانا سید سلیمان ندوی سے ایک علمی خطبہ

دینے کی خواہش کی، اور انھوں نے بمبئی کی مناسبت سے جو ہندوستان کا بڑا بندرگاہ ہے، اس موضوع کا انتخاب کیا، اور ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو اس پر انجمن اسلام ہائی اسکول ہال بمبئی میں چار خطبے دیئے اور اب یہی خطبے اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی جانب سے معارف پریس میں نہایت صفائی و اہتمام کیساتھ چھوٹی تقطیع پر چھپ کر شائع ہوئے ہیں، اس رسالے میں سب سے پہلے یہ دکھایا گیا ہے، کہ اسلام سے پہلے اہل عرب جہازرانی میں نہایت درک رکھتے تھے، اور اس پر لغات عرب اشعار عرب اور قرآن پاک سے شواہد جمع کئے گئے ہیں، لیکن یہ الفاظ لغت کے علاوہ تاریخوں، سفرناموں، اور مختلف تذکروں میں مذکور ہیں، اسلئے ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ یہ تمام الفاظ عہد جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے، اور اہل عرب ان سب سے واقف تھے،

اشعار عرب سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے، کہ اہل عرب نے کشتیوں اور جہازوں کے چلنے کا منظر دیکھا تھا، یا یہ کہ بحری سفر کیا تھا، یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ خود جہازرانی کرتے تھے،

قرآن مجید کی آیتوں میں تمام بنی نوع انسان سے خطاب ہے، یہ ممکن ہو کہ عرب بھی اسمیں داخل ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے، بہرحال ان آیتوں سے بھی صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے لوگ بحری سفر کرتے تھے، دریا سے موتی اور مونگے نکالتے تھے، مچھلی کا شکار کرتے تھے، تجارتی سامان دوسرے ملکوں میں لیجاتے تھے لیکن یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ خود انکے جہاز ہوتے تھے، اور وہی جہازوں کو چلاتے تھے، عہد نبوت میں عربوں کے بحری سفر کے عنوان سے فاضل مؤلف نے جو واقعات درج کئے ہیں، ان سے بھی صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب بحری سفر کرنے کے عادی تھے، لیکن رسالے کا موضوع عربوں کی جہازرانی ہے، عربوں کا بحری سفر نہیں ہے، تاہم کوئی ایسی شہادت بھی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اہل عرب فن جہازرانی سے ناواقف تھے، بلکہ لغات عرب، اشعار عرب اور قرآن پاک کی آیات میں جہازرانی کے متعلق جسقدر الفاظ اور دریا کے تلاطم وغیرہ کے جسقدر مناظر و کیفیات مذکور ہیں، ان سے بظاہر یہ قیاس ہوتا ہے، کہ اہل عرب اس

فن کے تمام نشیب و فراز سے واقف تھے، اور غالباً فاضل مؤلف نے یہی ثابت بھی کرنا چاہا ہے، البتہ دورِ اسلام میں مسلمانوں کی جہاز رانی کا جو سلسلہ شروع ہوا اسکو مصنف نے نہایت ترتیب و تسلسل کیساتھ بحوالۂ اسناد لکھا ہے، اور عہدِ فاروقی، عہدِ عثمانی، اور عہد بنوامیہ اور عہد عباسیہ میں مسلمانوں نے جو بحری ترقیاں کیں اون کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے اور اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ عربوں کی جہاز رانی کی اصلی ترقی عہد عثمانی سے شروع ہوئی، اور بنوامیہ، عباسیہ، اور فاطمیین کے زمانے تک جاری رہی، لیکن دسویں صدی ہجری یعنی عثمانی ترکون کے زمانے میں اس کا خاتمہ ہوگیا، اور تمام ساحل اور بندرگاہ ان کے ہاتھون سے نکل گئے،

عملی جدوجہد کے ساتھ عربون نے فنِ جہاز رانی میں علمی حیثیت سے جو ترقیاں کی تھیں، انکو بھی فاضل مؤلف نے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، مثلاً یہ کہ سب سے پہلے ایک عرب جہاز ران کو یہ علم ہوا کہ تمام سمندر الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ سب کے سب ایک مشترک بحری دنیا ہیں، عربون ہی نے سمندرون کی صحیح پیمایش کی، اور اس کے متعلق قدیم فلاسفہ کی بہت سی غلطیاں ثابت کیں، سمندرون کے نقشے مرتب کئے، ہواؤں اور جزیروں سے واقفیت حاصل کی، جہاز رانی کے قوانین مدوّن کئے، سمندرون میں منار اور لائٹ ہاؤس بنائے، قطب نما ایجاد کیا، یا کم از کم اس سے کام لیا، جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے، بحریات پر کتابیں لکھین، ڈوبے ہوئے جہازون کے نکالنے کے لئے آلات بنائے، غرض اس قسم کی بہت سی معلومات ہیں، جن سے معلوم ہوسکتا ہے، کہ اس زمانے میں فنِ جہاز رانی نے جو ترقی کی ہے اس کا ابتدائی خاکہ عربون ہی نے قائم کیا تھا، اور اس لحاظ سے فاضل مؤلف مستحق مبارکباد ہیں، کہ انھون نے اس قسم کی معلومات کو اسلامی تاریخ، اسلامی جغرافیہ، اور اسلامی سفرناموں کے نہایت نامعلوم گوشوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جامعیت اور استقصار کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے،

"ع"

تذکرۂ محسن

مؤلفہ منشی محمد امین صاحب زبیری وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال، ضخامت مع ضمیمہ ۳۱۵ صفحات قیمت:- عہر، ملنے کا پتہ مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڈہ،

اردو مصنفین میں گذشتہ اعیانِ اسلام کے تذکرہ نویس تو بہت ہیں، لیکن موجودہ دور میں جو اعیان واکابر گذرے ہیں، ان کے سوانحِ حیات کی طرف اس سے زیادہ کسی نے توجہ نہیں کی، کہ جب ان کی وفات ہوئی تو اون کے حالات میں ایک آدھ مضمون اخبارات و رسائل میں لکھدیا، یا ان کے حالات میں کوئی رسالہ شائع کر دیا، حالانکہ موجودہ دور میں بعض ہستیاں ایسی گذری ہیں، جن کی زندگیان مفصل و مبسوط سوانح عمری لکھنے کا استحقاق رکھتی تھیں، لیکن موجودہ دور کے مصنفین میں منشی محمد امین زبیری کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے، کہ انھون نے اسی قسم کے بزرگون کے حالات کو اپنا خاص موضوع قرار دیا، اور مختلف طریقون سے نہایت محنت و جانکاہی کے ساتھ ان کی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق وسیع مستند معلومات جمع کرکے خاص ان کی سوانح عمریاں مرتب کین،

جس زمانے میں وہ ریاست بھوپال میں مہتمم تاریخ تھے، انھون نے خاص بیگماتِ بھوپال کے حالات میں ایک کتاب شائع کی تھی، اور نواب سلطان جہان بیگم کے خطبات وغیرہ کا مجموعہ شائع کیا تھا، اس کے بعد نواب وقار الملک کے حالات جمع کئے، جو وقار حیات میں شامل ہو کر محمڈن کانفرنس علی گڈہ کی طرف سے شائع ہوئے، اب انھون نے اسی جامعیت و تفصیل کے ساتھ نواب محسن الملک مرحوم کی سوانح عمری شائع کی ہے، جس میں ابتدائی تعلیم و تربیت، ملازمت، حیدرآباد کی خدماتِ جلیلہ قومی مذہبی، اور سیاسی خدمات، وفات، اخلاق و عادات، وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے، اور جو کچھ لکھا ہے مستند ذرائع سے لکھا ہے، اور ان کے متعلق اور لوگون نے جو کچھ لکھا تھا، ان سب کو بھی شامل کر لیا ہے،

معنوی خوبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نہایت دیدہ زیب ہے، لکھائی چھپائی عمدہ اور کتاب میں متعدد فوٹو بھی شامل کیے گئے ہین،

نواب محسن الملک مرحوم کی جو اہمیت ان کے زمانہ میں تھی، اور علی گڈھ کالج کی جو خدمت انھون نے کی، وہ مسلمانون کی تاریخ کا نہایت اہم جزو ہے، اور ہم مشکور ہین کہ جناب منشی محمد امین صاحب نے تاریخ کے اس اہم حصہ کو اپنی اس تالیف سے محفوظ کر دیا ہے، محسن الملک مرحوم کے سیاسیات کی نسبت دو رائین ہو سکتی ہیں، اور اسلئے اگر مؤلف نے ان میں سے صرف ایک پہلو اختیار کر لیا ہے، تو وہ مورد الزام نہیں،

"ع"

انگریزی کے چند نئے اخبار

ڈکن ٹائمز: ہفتہ وار، ناشر جناب رشید احمد صاحب ڈکن ٹائمز پریس مدراس، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۲ صفحات، قیمت ہر پرچہ ایک آنہ،

ہندوستان میں مسلمانون کے انگریزی اخبارون کی کمی جس شدت کیساتھ محسوس کی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں، قوم میں وقتاً فوقتاً اسکے لئے پرزور تحریکیں شروع ہوئین، لیکن سوڈے کے جوش کی طرح وہ بہت جلد ٹھنڈی بھی ہوگئین، ایسی صورت میں مدراس کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہین کہ ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار کامیابی کے ساتھ ڈیڑھ سال سے چلا رہے ہین، ڈکن ٹائمز میں سیاسی، علمی، معاشرتی، اقتصادی، اور تجارتی، ہر قسم کے مضامین اور خبرین ہوتی ہین، ہفتہ کی تمام اہم خبرین بھی یکجا ملجاتی ہیں، اسمیں التزام کیساتھ ایک صفحہ ممالک اسلامیہ، ایک ہندوستانی ریاستون اور ایک خواتین سے متعلق ہوتا ہے، تجارتی کاروبار کی اطلاعیں بھی ہوتی ہیں، روش معتدل اور لب ولہجہ سنجیدہ ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اسکی حوصلہ افزائی کرین گے،

ٹروتھ: ہفتہ وار، ناشر جناب سید محمد شاہ صاحب دفتر ٹروتھ نمبر ۶۵، ریلوے روڈ لاہور، تقطیع فلسکیپ

صفحات ۸، قیمت سالانہ چار روپئے، فی پرچہ ایک آنہ،

مجلس تبلیغ القرآن کا یہ نقیب اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کیساتھ مئی ۱۹۳۵ء سے نکل رہا ہے، اسکے پیش نظر مذہب اسلام کی خدمت اور ملتِ اسلامیہ کی معاشرتی اصلاح ہے، جتنے پرچے ابتک شائع ہوچکے ہیں ان کے مطالعہ سے اطمینان ہوتا ہے کہ یہ اخبار اپنے نصب العین پر صداقت کیساتھ قائم ہے، مضامین اکثر و بیشتر مسلمانانِ ہند کی قومی فلاح سے متعلق ہوتے ہیں اور فاضل مدیر جناب فضل کریم خانصاحب درانی بی اے کا زورِ قلم مسائلِ زیر بحث کی اہمیت کو اور زیادہ موثر بنا دیتا ہے، اسکے مذہبی مضامین زمانہ حال کے مقتضیٰ کے مطابق ہوتے ہین قادیانی اصحاب کے خیالات کی تردید بھی اسکے مقاصد مین ہے، مسلمانوں کی حیاتِ ملی کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدگی کیساتھ اسمیں اظہارِ خیال کیا جاتا ہے، اور غیروں کی طرف سے مسلمانون پر جو حملے ہوتے رہتے ہین، ان کی مدافعت کیجاتی ہے، ضرورت ہے کہ انگریزی داں مسلمانوں میں اسکی اشاعت کثرت سے ہو،

اسلام (پندرہ روزہ) دفتر اسلام دروازہ شیرانوالہ لاہور تقطیع فلسکیپ قیمت سالانہ دو روپئے، فی پرچہ ایک آنہ،

مدت سے یہ ضرورت محسوس کیجا رہی تھی کہ علماے اسلام کے زیر نگرانی انگریزی کا کوئی مذہبی پرچہ شائع ہو، جو انگریزی داں مسلمانوں اور ملکوں میں صحیح اسلام سے واقفیت بہم پہنچائے اور نوجوانوں کو گمراہیوں سے بچائے، لاہور کی مشہور انجمن خدام الدین نے جو معتبر و مستند علماء کے زیر اثر اپنا کام انجام دے رہی ہے ہمت کی اور اسلام کے نام سے یہ پندرہ روزہ اخبار جاری کیا، یہ انگریزی مہینہ کی ۷ار اور ۲۲ر تاریخ کو لاہور سے شائع ہوتا ہے، اسوقت تک دس نمبر نکل چکے ہیں اور وہ سب کے سب اس جذبہ اخلاص و خدمتِ دین کے آئینہ دار ہیں، جو انجمن مذکور کی نمایاں خصوصیت ہے، مضامین مذہبی، علمی، تاریخی، معاشرتی، ہر نوع کے ہوتے ہین، جنکا مطالعہ ناظرین کیلئے مفید ہے، تقریباً ہر اشاعت میں اسلام، اسلامی علوم و فنون یا تہذیب و تمدن پر ایک مضمون کسی مشہور غیر مسلم اہل قلم کا بھی ہوتا ہے، یہ اہتمام ان حضرات کیلئے کیا جاتا ہے جنھیں اپنی خوبیاں بھی غیرونکی عینک کے بغیر نظر نہیں آتین، ضرورت ہے کہ یہ اخبار غیر ملکوں میں اور جزائر ہند میں پھیلے، جہاں انگریزی کے سوا مذہبی واقفیت کا کوئی اور ذریعہ نہیں، اسکی بھی ضرورت ہے کہ مسلمان اسکی مالی مدد کرین، تاکہ یہ اخبار تا دیر مسلمانوں کی مذہبی خدمت انجام دیسکے،

"ع ز"

مطبوعاتِ جدیدہ

طنزیات و مضحکات، ازجناب رشید احمد صاحب صدیقی، ایم اے، پروفیسر مسلم یونیورسٹی
ناشر ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد حجم ۲۲۹ صفحے، قیمت، ؏

جناب رشید احمد صاحب صدیقی ہماری زبان کے مشہور سنجیدہ مزاح نگار ہیں، موصوف نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی دعوت پر طنزیہ و مزاحیہ صنفِ تحریر پر ایک مقالہ لکھا ہے، جو طنزیات و مضحکات کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں پہلے ادبیات میں طنزیات کی ابتدا دکھائی ہے، پھر طنزیہ تحریر کی اصطلاحی تعریف کرکے یونانی، رومی، انگریزی، اور فارسی ادبیات کے طنزیہ کلام و مزاح نگاری کا اجمالی تعارف کرایا ہے، اس ضمن میں عربی ادبیات کا ذکر نہ آنا تعجب انگیز ہے، خصوصاً جب کہ یہ مقالہ موصوف کے بیان کے مطابق "ایشیائی زبانوں" کے طنزیہ کلام پر لکھا گیا ہے، اور ان کے معلومات میں ایشیائی زبانوں میں ایک مشتبہ حد تک عربی بھی داخل ہے، اس کے بعد ہندوستانی زبان اردو کی طنزیہ و مزاحیہ تحریروں کا مفصل ذکر آیا ہے، اور اس میں موصوف نے اپنے خاص طرزِ انشا، اور لطیف پیرایہ میں دورِ اول سے دورِ حاضر تک کے ہندوستانی زبان کے طنزیہ و مزاحیہ نگاروں کے طرزِ تحریر کا فرق ایک دوسرے سے دکھایا ہے، اور انوکھے انداز میں ان پر نقد کیا ہے، کتاب میں ہندوستانی زبان کے ہر دور کے انشا پردازوں کے طنزیہ و مزاحیہ کلاموں کے لمبے اقتباسات بھی نمونے کے طور پر درج کئے ہیں، جن سے کتاب میں بڑی جان آگئی ہے، موصوف نے دیباچہ میں اپنے خاص اندازِ بیان میں اس کتاب پر خود ہی گویا نقد بھی کر دیا ہے، جس میں یہ بیان خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے، کہ اس میں بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ

طویل (اور شاید بعضوں کا غیر ضروری) اور بعضوں کا سرے سے غائب ...... ہے" یہ اقرار بعض طنزیوں کے "شکوہ و شکایت" کی بہترین معذرت ہے، کتاب ہندوستانی زبان کے ایک نئے صنفِ ادب کے اچھوتے موضوع پر ہے،

شمیم، ازجناب فیاض علی صاحب بی اے، علیگ، (فیض آباد) ناشر صدیق بک ڈپو، امین آباد، لکھنؤ حجم ہر دو حصہ ۶۰۰، ۵۰۰ صفحے قیمت مجموعی مجلد للعہ

یہ ایک معاشرتی ناول ہے، جو تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبول ہوا، اور اس کا پہلا اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اسکے بعد اس کا دوسرا اڈیشن صدیق بک ڈپو نے اہتمام سے مصور چھاپا ہے، اس میں ایک خوددار، جوان ہمت، بلند اخلاق ہندوستانی نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان کی سیرت پیش کی گئی ہے، اور فسانہ میں تہذیب، معاشرتِ اخلاق، اور بعض جگہ مذہب کے بکثرت مسائل بھی گفتگو میں آئے ہیں، اور تہذیب و معاشرت میں جو غیر معتدل مراسم داخل ہوگئے ہین، اون کا مضحکہ اڑاکر ایک صحیح تعلیم یافتہ مسلمان گھرانے کی تہذیب و تمدن کو پیش کیا گیا ہے، پلاٹ میں کہیں کہیں غیر معمولی حادثات و اتفاقات کے پیش آجانے سے بھی مدد لی گئی ہے، اور بعض جگہ معاشرت و مذہب کی اصلاح کی تقریر میں غیر معتدل جوش و خروش کی نمائش ہوگئی ہے، مذاق کا انداز بھی کہیں کہیں غیر معتدل ہے، ان جزئی خردہ گیریوں سے قطع نظر کرکے یہ ناول اپنے فسانہ کے اعتبار سے دلچسپ اور ہندوستانی زبان کے اچھے ناولوں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے،

کتابِ اجتماعی، حکومتِ الٰہی، (فارسی) ازمولانا منصور انصاری مہاجر مقیم کابل، حجم ۴۲، ۴۴ صفحے
پتہ:۔ دفتر مجلس دستورامت، بجنور، (یوپی)،

مولانا منصور ہندی مہاجر مقیم کابل اسلام کی اجتماعی زندگی کے متعلق چند خاص خیالات رکھتے ہیں، یہ دونوں رسالے ان کے خیالات کا آئینہ ہین، پہلا رسالہ کتاب اجتماعی، انواع الدول و حریۃ الملل

کے نام سے ہے، اور دوسرا "حکومتِ الٰہی یعنی دستور اساسی امامتِ امت" ہے، پہلے رسالہ میں انھون نے دنیا کی حکومتون کی تقسیم ان کے مختلف اعتبارات سے جداگانہ دکھائی ہے، اور دوسرے میں دکھایا ہے کہ رضائے الٰہی کے مطابق دنیاوی بادشاہت کن اصولوں اور قانون پر قائم کی جاسکتی ہے، چنانچہ مصنف نے دنیا کی موجودہ حکومتوں کے دستوروں کے مقابلہ میں "سماوی فطری نظامِ سلطنت" کا خاکہ کھینچا ہے، جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اور اسے دفعہ وار تشریحی تعلیقات کے ساتھ درج کیا ہے، ان دونوں رسالون کا اصلی مقصود یہ ہے، کہ مسلمان اسلام کی صحیح روحانی واخلاقی بنیادون پر اپنی شیرازہ بندی کرکے اپنی اجتماعی زندگی کا مستقل نظام قائم کرین اور موجودہ دورِ ترقی میں اقوام وملل سے اپنی اجتماعی طاقت تسلیم کرائین، دوسرے رسالہ پر افغانستان کے وزیر امور خارجہ آقائے فیض محمد خان صاحب نے تقریظ لکھی ہے جس میں اس رسالہ کو اسلامی علم اجتماع واسلامی حقوق کا رہنما بتایا ہے، اور رسالہ کو لائقِ درس وتدریس قرار دیا ہے،

نغمۂ کہسار، مرتبہ جناب سید تنویر علی صاحب معتمد بزم اردو، شملہ نمبر ۵، ٹوٹی کنڈی شملہ، ۶۵ صفحے قیمت ۸؍

ہندوستانی زبان کے چند خدمتگذارون نے شملہ میں "بزم اردو" کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے جو ادبی محفلوں اور مشاعروں کے ذریعہ سے اپنی زبان کی خدمت کرنا چاہتی ہے، اس بزم کا پہلا مشاعرہ ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء میں آنریبل سید رضا علی صاحب کی صدارت میں ہوا، اور مرکزی حکومت ہند وحکومت پنجاب کے متعدد سربرآوردہ عہدہ دارون نے اس میں شریک ہو کر ہندوستانی زبان سے اپنی دلچسپی کا ثبوت دیا، "نغمۂ کہسار" اسی مشاعرہ کی غزلوں اور اسکی روداد کا مجموعہ ہے، مشاعرہ میں مشاہیر شعراء، حسرت موہانی، اور جگر مرادآبادی وغیرہ کے علاوہ خاصی تعداد ہندو شعراء کی بھی تھی اسی طرح سامعین میں بھی ہندو اور سکھ بکثرت شریک تھے، اس طرح یہ صحیح معنوں میں ہندوستانی زبان کا مشاعرہ تھا، خدا کرے، کہ یہ بزم قائم رہ کر ہندوستانی زبان کی مفید خدمات انجام دے، کہ اگر شملہ کی چوٹیوں پر بھی اس زبان کی آواز پہنچ جائے، تو اس کی ترقی کی بڑی امکانی صورتیں پیدا ہو سکتی ہین،

"س"

جلد ۳۶	ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۵ء	عدد ۶

مضامین

تاریخ صقلیہ جلد دوم

یہ سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانانِ صقلیہ کے قبائلی حالات اسلامی آبادیان، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندون کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کی تفصیل ہے، جس میں اس کے مختلف شعبون اور انکے اعمال کا ذکر ہے، پھر معاشی حالات کا بیان ہے، جنمین مسلمانون کی صنعت وحرفت زراعت اور تجارت کا بیان ہے، اسکے بعد علوم وآداب کا تذکرہ ہے، جنمیں مختلف علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر وشاعری علوم عقلیہ، ریاضیات، طبعیات کا ذکر ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا، اور شعراء کے مفصل سوانح حیات انکی تصنیفات کا ذکر آیا ہے، آخری باب سسلی کے اسلامی تمدن سے یورپ کے استفادہ کے بیان میں ہے، کتاب چھپ چکی ہے، آخر ماہ دسمبر تک شائع ہو جائیگی،